رشتہ نہیں کر سکتے"۔ منتہیٰ کی ماما نے آہستہ آواز میں سنجیدگی سے معذرت کی تو طاہرہ کا رنگ فق ہو گیا، انھیں تو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟

"یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" طاہرہ نے بمشکل پوچھا، کیونکہ کچھ دیر قبل تو وہ لوگ بہت خوش تھے مگر اب اچانک.... جواباً منتہیٰ کی ماما نے ساری بات طاہرہ کو بتا دی۔

"میری امبر ایسی نہیں ہے، بالکل بھی نہیں، وہ تو....!" طاہرہ کے لبوں سے بمشکل یہ جملہ ادا ہو سکا، انھیں تو ان لوگوں کی باتوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"اپنی اولاد پر تو سب کو ہی اعتبار ہوتا ہے، مگر طاہرہ بہن! یہ سب سچ ہے"۔

"بیٹا! ہو سکتا ہے تمھیں غلط فہمی ہوئی ہو، میری امبر وہ لڑکی نہ ہو جو تم سمجھ رہی ہو"۔ طاہرہ نے منتہیٰ سے بے بسی سے پوچھا، وہ چاہ رہی تھیں کہ کاش منتہیٰ کہہ دے جی آنٹی! امبر وہ نہیں ہے مجھے ہی غلط فہمی ہوئی ہے، مگر منتہیٰ کی خاموشی نے انھیں اس تلخ حقیقت پر یقین کرنے پر مجبور کر دیا۔

"آنٹی! میں نے خود کئی بار امبر اور اس کی فرینڈ حنا کی باتیں سنی ہیں، امبر روز کبھی اس لڑکے کی باتیں تو کبھی اس کے ایس ایم ایس حنا کو سنا رہی ہوتی تھی اور یہ سب غلط فہمی نہیں ہے"۔ منتہیٰ نے سنجیدگی سے بتایا۔

"مگر.... امبر کے پاس تو موبائل نہیں ہے"۔ طاہرہ نے امبر کی صفائی دینا چاہی۔

"آنٹی! آپ لوگوں نے نہیں دیا، مگر اس کے پاس موبائل ہے، وہ اتنی بار تو کالج بھی لا چکی ہے، وہ چھپا کے یوز کرتی ہے، مجھے یاد ہے ایک بار امبر نے حنا کو بتایا تھا کہ وہ کبھی کپڑوں کی الماری میں تو کبھی میٹرس کے نیچے سیل چھپاتی ہے اور....!" منتہیٰ کی بات سنتے ہی طاہرہ فوراً کمرے کی طرف بڑھیں، امبر کو میٹرس سے اترنے کو کہا اور امبر کے اترتے ہی جلدی سے میٹرس اٹھایا، سامنے ہی سیل فون، ایک ادھ کھلا کاغذ اور ایک لفافہ پڑا دیکھ کر طاہرہ کی ٹانگیں لرز گئیں، اس سے پہلے کہ وہ ان تینوں چیزوں میں سے کچھ اٹھاتیں، ایک دم کسی نے آگے بڑھ کر وہ ادھ کھلا کاغذ اور لفافہ تیزی سے اٹھا لیا، طاہرہ نے اٹھایا تو ششدر رہ گئیں کہ اکرام صاحب وہ ادھ کھلا کاغذ پڑھ رہے تھے اور ساتھ ہی ان کے چہرے کے تاثرات بھی غضب ناک ہو رہے تھے، امبر جو حیرانگی سے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی، پاپا کو تیزی سے کمرے میں آتا اور وہ خط اٹھاتا دیکھ کر کانپنے لگی، اس نے بمشکل اپنے بے جان وجود کو بیڈ کی بیک سے سہارا دیا تھا، سب کے سامنے اتنی ذلت کا تو وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتی تھی، اکرام صاحب تو اندر یہ کہنے آئے تھے کہ رسم شروع کی جائے مگر اندر ان سب کے درمیان ہوتی باتوں نے انھیں ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا، خط پڑھتے ہوئے ان کا ہاتھ لرزا اور ان کے ہاتھ سے لفافہ نیچے گر گیا، گرنے سے اس کے اندر موجود تصاویر کارپٹ پر بکھر گئیں، انھوں نے صرف ایک نظر اپنی لاڈلی کی تصویر دیکھیں مگر انھیں لگا کہ ان کی دماغ کی نس پھٹ جائے گی۔

"میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، تم نے ہماری عزت خاک میں ملا دی، بے غیرت.... بے حیا!" اکرام صاحب خطرناک تیور لیے امبر کی طرف بڑھے اور اس کی گردن دبوچ لی، اپنی "محبت خاص" کے تحفے کی وجہ سے امبر کے پاپا جنھوں نے کبھی اسے غصے سے بھی نہ دیکھا تھا، آج جان سے مارنا چاہ رہے تھے، اس ذلت پر امبر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر اس نے ایک بار بھی پاپا کے ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑوانے کی کوشش نہیں کی، شاید وہ بھی اس ذلت کی زندگی سے آزادی چاہتی تھی۔

"انکل.... انکل! پلیز کیا کر رہے ہیں آپ پلیز چھوڑیں اسے"۔ منتہیٰ فوراً آگے بڑھی، طاہرہ کو سکتہ ہو گیا تھا اپنی بیٹی کا یہ روپ تو انھوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا، ان کی نازوں پلی لاڈلی مہمانوں کے سامنے انھیں ایسے رسوا کروائے گی، یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اور امبر کی چھوٹی بہن کومل حیران پریشان اصل معاملے سے لاعلم کارپٹ پر بکھری اپنی آپی کی تصاویر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا یہ امبر آپی ہیں؟

"چھوڑ دو مجھے، میں اس بے حیا کو جان سے مار دوں گا، چھوڑ دو...!" منتہیٰ نے اکرام صاحب کے ہاتھوں سے امبر کی گردن چھڑانی چاہی مگر انھوں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے، امبر کے لب مقفل تھے، اس لمحے امبر کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، سب کی نظروں سے وہ کسی طرح دور ہو جائے، ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس کی "محبت کی عنایتوں" کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا ہو۔

اتنے میں امبر کے دونوں بھائی پاپا کی اونچی آواز پر اندر آئے تو سامنے کا منظر دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھے مگر راستے میں کمرے کے عین درمیان کارپٹ پر گری تصویروں نے ان کے قدم روک لیے، بڑے بھائی نے وہ گرا ہوا کاغذ اٹھایا، اسے پڑھتے ہی اس کے تاثرات بھی تبدیل ہو گئے، اس نے غصے اور نفرت سے امبر کی طرف دیکھا۔

"پاپا! چھوڑیں اسے، کیوں اسے مار کر آپ اس کے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ ناپاک کرنا چاہتے ہیں، یہ تو نفرت کے بھی قابل نہیں ہے، چھوڑیں اسے، پلیز پاپا! آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی، چلیں یہاں سے"۔ دونوں بھائیوں نے پاپا کے ہاتھوں سے امبر کی گردن چھڑائی تو امبر ایک جھٹکے سے بیڈ پر گری، وہ دونوں بمشکل پاپا کے بے جان ہوتے وجود کو سہارا دیتے ان کے کمرے میں لے گئے۔

"ہمیں معاف کر دیجیے گا بہن! ہم یہ سب نہیں چاہتے تھے، ہم اگر اس سب کو امبر کی نادانی اور بھول سمجھ کر نظر انداز بھی کر دیتے تو بعد میں کبھی بات کھلنے پر دونوں خاندانوں کی بدنامی ہوتی، ہم بھی بیٹیوں والے ہیں اس سے ہماری بیٹیوں کی زندگیوں پر بھی اثر پڑتا، اور پھر بہو تو آئندہ نسلوں کی امین ہوتی ہے، ہمارا تو ایک ہی بیٹا ہے، ہم کم از کم ایسی بہو کو لے جا کر اپنی آئندہ نسلوں کو خراب نہیں کر سکتے، جو رشتوں کا تقدس نہ سمجھتی ہو اور جسے اچھے برے کی تمیز ہی نہ ہو، مرد بدصورت، بدسلیقہ بیوی تو برداشت کر ہی لیتا ہے، مگر بدکردار بیوی کبھی برداشت نہیں کرتا، اگر ہو سکے تو ہمیں معاف کر دیجیے گا، اللہ حافظ!" منتہیٰ کی ماما نے آہستگی سے کہا اور کمرے سے نکل گئیں، کچھ ہی دیر میں وہ لوگ اور سب مہمان چلے گئے، نجانے انھوں نے مہمانوں کو کیا وجہ بتائی کہ کوئی کچھ بھی نہیں بولا اور خاموشی سے وہ سب جیسے خوش خوش آئے تھے چلے گئے، مگر طاہرہ کو اتنا یقین تھا کہ انھوں نے ان کی عزت کا بھرم رہنے دیا ہوگا۔

امبر کو وہیں بیڈ پر گرا چھوڑ کے سب اپنے کمروں میں چلے گئے، اکرام صاحب کو سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا، وہ سب انھیں لے کر اسپتال چلے گئے، مگر راستے میں ہی وہ جہان فانی سے کوچ کر گئے، اپنی لاڈلی بیٹی کے ہاتھوں اس قدر ذلت اٹھانا ان کے بس میں نہ تھا، وہ بیٹی جسے انھوں نے ہر خوشی دی تھی اس نے آج ان کو ہمیشہ کی ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیا تھا، ان کا کمزور دل یہ سب نہ سہہ سکا اور ان کا ساتھ چھوڑ گیا، اکرام صاحب حرکت قلب کے بند ہوتے ہی ان کے گھر میں کہرام مچ گیا، باپ کا سایہ اٹھ جانے پر جوان بیٹے بلک بلک کے روئے، طاہرہ اپنے حواس کھو بیٹھیں اور کومل تو اس اچانک افتاد پہ حیران پریشان سہمی ہوئی ایک کونے میں بیٹھی تھی، کچھ دیر قبل کس قدر خوشیاں تھیں اس گھر میں اور اب

مہک گل

افسانہ

میری الفت میرا سایہ

"ٹرن... ٹرن...!" موبائل بجنے لگا تو 14 سالہ خدیجہ جو کہ 9th کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی فون کی آواز سن کر جلدی سے کمرے سے نکل کر باہر ہال میں چارجنگ میں لگے موبائل پر نمبر دیکھ کر مسکراتے ہوئے فون ریسیو کرتے ہوئے بولی۔

"ہیلو گل باجی! السلام علیکم... کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں چلبلی!" وہ پیار ے بولی۔

"آج کیسے یاد کیا؟"

"وہ مجھے محراب سے بات کرنی ہے جلدی سے وبائل اس کو پکڑاؤ ورنہ میرا بیلنس ختم ہو جائے گا"۔ وہ جلدی سے مطلب کی بات کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے باجی! میں بلا کر لاتی ہوں"۔

"محراب آپی... محراب آپی!" وہ نیچے سے ہی لا پھاڑ کر اوپر چھت پر امی کے ساتھ کپڑے دھوتی وئی محراب کو آواز دینے لگی۔

"کیا ہوا ہے جو گلا پھاڑ کر چیخ رہی ہو، اب کیا م کرنا رہ گیا ہے مجھ سے؟" خدیجہ کے برابر میں ھڑے بڑے بھائی کو دیکھ کر وہ سمجھی کہ شاید بھائی ے کپڑے پریس کرنے کے لیے آواز دے رہی ے، کیونکہ خدیجہ ہمیشہ سے کام سے چڑتی تھی، تبھی وہ ی چڑچڑے انداز سے بولی۔

"وہ گل باجی کا فون آیا ہے آپ کو یاد کر رہی ں، جلدی سے نیچے آ جائیں، ورنہ کنجوس سسٹر کا نس ختم ہو جائے گا"۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کا ار چہرہ دیکھ کر بولی۔ محراب جلدی سے گل کے فون ن کر خوش ہوتے ہوئے سیڑھیاں اترتے ہوئے ی اور موبائل کو جلدی سے کان سے لگایا۔

"ایسا بھی کیا ہوا ہے جو مجھ سے بات کرنے کا ن ہوا ہے؟" محراب فوراً سے کہہ اٹھی، تو دوسری رف ہمیشہ کی طرح یہ جملہ سن کر وہ غصہ پی کر رہ ی۔

"کتنی بدتمیز ہو تم، نہ سلام نہ دعا؟ اور چلی ہیں بات پوچھنے، کچھ تو خیال کرو اپنی بڑی سسٹر کا"۔ وہ ہمیشہ کی طرح ٹوکتے ہوئے بولی۔

"اچھا بڑی بی! السلام علیکم!" وہ جھٹ سے بولی۔

"اب بولو بھی! مجھے بہت کام کرنا ہے"۔ وہ جلد بازی سے بولی۔

"وہ میں نے اس لیے فون کیا ہے آج مدرز ڈے ہے، وہ جو ہم دونوں نے تین مہینے پہلے سے پلاننگ کی تھی وہ یاد ہے یا پھر اپنے کاموں کے چکر میں بھول بھال کر بیٹھی ہو؟" وہ اس کو آج کا خاص دن یاد دلاتے ہوئے بولی۔

"اوہ مائی گاڈ! سوری گل! واقعی میں، میں تو آج کا خاص دن بھول ہی گئی تھی"۔ وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی، اس نے گل سے تین دن پہلے کہا تھا کہ اس بار کا مدرز ڈے وہ مجھے یاد دلائے گی، مگر ہمیشہ کی طرح وہ یہ خاص دن بھول گئی۔

"ماں سے پیار جو نہیں کرتی ہو، اس لیے تمہارے کند ذہن سے یہ بات نکل گئی ہے"۔ وہ اس کو تنگ کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں ہاں! پیار تو صرف تم دونوں سسٹرز کرتی ہو، ہم کو تو وہ گھر کی مرغی دال برابر لگتی ہیں"۔ وہ بھی طنز کرتے ہوئے بولی، گل اور یاسمین، محراب کی بڑی بہنیں تھیں، جن کی تایا کے گھر شادی ہوئی تھی، باقی محراب سے دو چھوٹی بہنیں خدیجہ اور حیا تھیں، خدیجہ 9th میں پڑھتی تھی، جبکہ حیا پریپ ٹو میں پڑھتی تھی، محراب کے تین بھائی تھے، بڑا بھائی عالم جس کا نام عالم زیب، دوسرا جہانزیب اور تیسرا احمد تھا۔

☆..........☆..........☆

"احمد! تم گھر جا رہے ہو؟ ہمیں بھی گھر جانا ہے ساتھ چلتے ہیں"۔ گل تیاری کے ساتھ اپنے

چھوٹے بھائی سے بولی جو کہ گھر جانے کے لیے نکلا تھا۔

”خیریت تو ہے اتنی تیاری کس خوشی میں، بالکل بندریا لگ رہی ہو“۔ اس کو تیار دیکھ کر وہ شروع ہوگیا۔

”تمہیں کیوں بتاؤں؟“ وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

”اف..... مجھے ڈر لگ رہا ہے، اتنا میک اپ، اتنا میک اپ چہرے پر تھوپنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے ساتھ بڑی بہن بھی ہے، کتنی سادہ سی ہے چہرہ میک اپ سے بالکل بے نیاز، پھر بھی تم سے سو فیصد پیاری لگ رہی ہے“۔ وہ ہمیشہ سے اس کو میک اپ کرنے پر تنگ کرتا تھا، جس پر گل اس کو ٹھیک طرح سے سنا کر اس کی طبیعت صاف کرتی تھی، تو احمد کانوں کو پکڑ لیتا۔

”سوری بہنا! اب چلیں؟“ وہ ہنستے ہوئے بولا تو دونوں بہنیں جلدی سے گھر کو تالا لگا کر نکلیں، بڑی بھانجی زونائشہ کو گل نے سنبھالا ہوا تھا، جبکہ چھوٹے زیان کو ماں نے گود میں اٹھایا ہوا تھا، باقی گفٹ وغیرہ احمد نے پکڑے ہوئے تھے۔

”رکشے والے!“ احمد نے رکشے والے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

”خیبر گیٹ تک جانا ہے“۔ احمد نے پتہ سمجھایا۔ گھر پہنچنے پر محراب اور خدیجہ سے ملیں جبکہ امی ڈاکٹر کے پاس گئی ہوئی تھیں۔ گل اور یاسمین مل کر سارا سامان شاپر سے نکال کر جلدی جلدی میز پر سجانے لگیں۔ ماں کے آنے سے پہلے محراب نے کچوریاں، بریانی اور لب شیریں ڈشوں میں نکال کر گل کو میز پر رکھنے کے لیے دیں، احمد علی نے یہ تیاری دیکھ کر اپنی جیب سے ڈیری ملک نکالا۔

”میری طرف سے یہ رکھ دو، کیونکہ میری اتنی ہی حیثیت ہے“۔ ہنستے ہوئے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے وہ بولا۔

”بہت خوب بھئی! اب احمد (کوڈو) نے بچ دولت کے معاملے میں ترقی کر لی، کہیں ایسا تو نہ ہے ان ڈھیر ساری کھانے کی چیزوں کو دیکھ کر تمہار نیت بدل گئی ہے، جو اتنا خرچہ کر کے ڈیری ملک ا لائے ہو؟“ یاسمین اس کی کنجوس طبیعت پر چوٹ کر کے بولی۔

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے بہنا! مجھے ایسا لگا ک یہاں جو حصہ ڈالے گا، قربانی کے گوشت کی طر اس کو کھانے کو ملے گا، جب ہی تو میرے چھو سے ذہن میں یہ بات سمائی کہ چل احمد! ای معاملوں میں تجھے پیچھے نہیں رہنا چاہیے، ورنہ لوگوں کو تو میری کمزور عادت کا پتہ ہے کہ کسی کو کھا دیکھ کر میرا ٹمپریچر گر جاتا ہے، میں نہیں چاہتا ک تمہارا یہ پیارا سا سجا سجایا مدرز ڈے خراب ہو جائے، کیوں صحیح بولا ناں میں نے؟“ و ندیدوں کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا جیسے کوئی چیز چکھ لی ہو، تو گل اور محراب اس کے ندیدے پن پر غصے سے گھور کر رہ گئیں۔

”بڑا آیا ٹمپریچر گر جائے گا“۔ محراب بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆..........☆..........☆

”یہ ہمارے گھر کی لائٹ کیوں نہیں ہے؟ گل میں تو سب کی لائٹ ہے“۔ امی گھر میں داخل ہو ہوئے بولیں۔

”اور یہ کیا.... گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے، یہ بچے کہاں چلے گئے ہیں؟“ میر صاحب تاریکی میں اپنی نظریں دوڑاتے ہوئے بیوی سے بولے۔

”محراب.... خدیجہ بیٹا!“ وہ آواز دینے لگے۔ آواز دینے کے ساتھ ہی پورا گھر روشن ہوگیا اور سب بچے تالیاں بجاتے ہوئے آگے بڑھ کر ماں کو وش کرنے لگے۔

"Hapy Mother's Day my mother is the best mother's in the world, my Allah give you long life with happiness & joyfully."

سب بچے مل کر گنگناتے ہوئے بولے۔ امی یہ سب دیکھ کر خوش ہوگئیں، ان کے اپنے بچوں کا اپنے لیے پیار دیکھ کر خوشی سے آنسو چھلک پڑے، وہ یہ دن بھول گئی تھیں۔

”ابو! آپ کو امی کے ساتھ ڈھیر ساری وشز“۔ گل اپنے ابو کے گلے لگ کر بولی۔

”خیر مبارک میری بچی!“ وہ گل کا ماتھا چوم کر بولے۔

”ابو! یہ تو چیٹنگ ہے کہ آپ صرف گل پر ہی اپنا پیار نچھاور کر رہے ہیں“۔ خدیجہ ابو کے گلے لگ کر بولی۔

”ارے نہیں میرے بیٹے! میرے لیے تو سب بچے ایک جیسے ہیں، والدین بچوں میں فرق نہیں کرتے، لیکن یہ بات سچ ہے کہ میں اپنی بچیوں سے بہت پیار کرتا ہوں، بچیاں میری جان ہیں“۔ وہ گل اور خدیجہ کو پیار کرتے ہوئے بولے۔

”واہ... ابو! واہ.... پھر تو یہ کھلم کھلا فرق ہوا، بیٹوں سے کیوں نہیں؟“ احمد منہ پھلاتے ہوئے بولا، تو وہاں کھڑے باقی سب لوگ احمد پر ہنس پڑے۔

”تم تینوں بیٹوں سے میں جو پیار کرتی ہوں“۔ مسز میر، احمد کو بانہوں میں لے کر پیار سے بولیں تو احمد، گل اور خدیجہ کو ٹھینگا دکھانے لگا، پھر امی ابو کو آمنے سامنے کرسی پر بٹھا کر ایک دوسرے کو کیک کھلانے کے لیے سب بولے۔

”ابو! آج امی کو اپنے ہاتھوں سے کیک کھلائیں“۔ یاسمین خوشی سے چہکتے ہوئے بولی، تو انھوں نے بچوں کی بات مان کر ایک دوسرے کو کیک کھلایا، اتنے میں باہر سے آتا ہوا خوبرو سنجیدہ جہانزیب یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”ارے یہ کیا؟“ ابو امی کو ایک دوسرے کے منہ میں کیک کا پیس ڈالتے ہوئے دیکھ کر حیرانی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

”وہ آپس میں لڑائی کون کرے گا؟“ بڑا بیٹا عالم وہ بھی اچانک ٹپک پڑا، اور برابر والی کرسی پر براجمان ہوگیا، عالم کی بات سن کر سب اپنی ہنسی نہیں روک پائے۔

”بیٹا! وہ سب تو چلتا رہتا ہے، اور ویسے بھی میاں بیوی کے رشتے میں جہاں لڑائی ہوتی ہے، وہیں پر آپس میں محبت بھی بڑھتی ہے، جیسے ابھی تمہارے سامنے ہے کہ میں تمہاری ماں کو اپنے ہاتھ سے میٹھا کھلا رہا ہوں“۔ عالم زیب کی بات پر میر صاحب نے ہنس کر جواب دیا۔

”دیکھ لیں میرے بیٹے کو کیسے میری فکر ہے“۔ امی، عالم کی سائیڈ لیتی ہوئی میر صاحب سے بولیں۔

”کوئی نہیں امی! اگر فکر ہوتی تو آج یہ سارا انتظام یہ کرتا، مگر آپ کے ہونہار بچوں کو تو اس دن کی فکر ہی نہیں ہے“۔ گل برا مانتے ہوئے بولی تو عالم زیب، گل کی بات سن کر سر کھجا کر رہ گیا، پھر سب ہی باری باری ایک دوسرے کو کیک کھلانے لگے اور اس وقت کو قید کرنے کے لیے پیچھے کھڑا بھائی جانزیب اپنے موبائل سے مووی بناتا رہا۔

”یہ لو بیٹا! تم بھی کھالو، خود سے تو تمہاری عادت نہیں ہے“۔ امی جانزیب کو کھلاتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولیں۔

”جانزیب پلیز! ادھر دیکھنا“۔ اب موبائل کو گل سنبھالتے ہوئے بولی۔ یہ وقت بڑی خوشی سے گزرا تھا، وقت کبھی تھمتا نہیں ہے نہ کسی کی خوشی کے لیے اور نہ ہی کسی کے غم کے لیے۔

قمروش شہک

سلسلے ناول

تیرے پیار کی خوشبو

”ریحان انکل! ژالے کہاں ہے؟“

”ژالے کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے ناں، میرے ساتھ تو نہیں ہے“۔ ایک پل کو تو ان کا خود کا سر بھی چکرا کے رہ گیا تھا، جبکہ ثمرن.... اس کے تو ہوش وحواس ہی جیسے گم ہو گئے ہوں، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، مقسوم بروقت نہیں سنبھال لیتی تو وہ زمین بوس ہو جاتی۔

”بابا ژالے آپ کے پاس ہی تو گئی تھی شاپنگ مال میں، میں نے خود دیکھا تھا“۔ وانیہ کا دل بھی بیٹھا جا رہا تھا۔

”نہیں وانی بیٹا! میں نے ژالے کو نہیں دیکھا اور پھر اچانک سے جو دھماکہ ہوا شور شرابہ، بھاگ دوڑ تو میں فوراً سمجھ گیا کہ کہیں بم بلاسٹ ہوا ہے، میں فوراً وہاں سے نکلا تھا، بلکہ اس دوران میں مسلسل آپ سب کو باری باری فون کالز بھی کر رہا تھا، مگر نیٹ ورک ہی آف ہو گیا تھا“۔

”اوہ مائی گاڈ.... مجھے جانا پڑے گا“۔ عارفین اندر سے بری طرح ڈر رہا تھا، وہ صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گیا تھا، کئی وسوسے اس کے دل و دماغ میں کنڈلی مار رہے تھے۔

”رکو بیٹا! میں بھی چلتا ہوں، ژالے بیٹی ہماری مہمان ہماری ذمے داری ہیں“۔

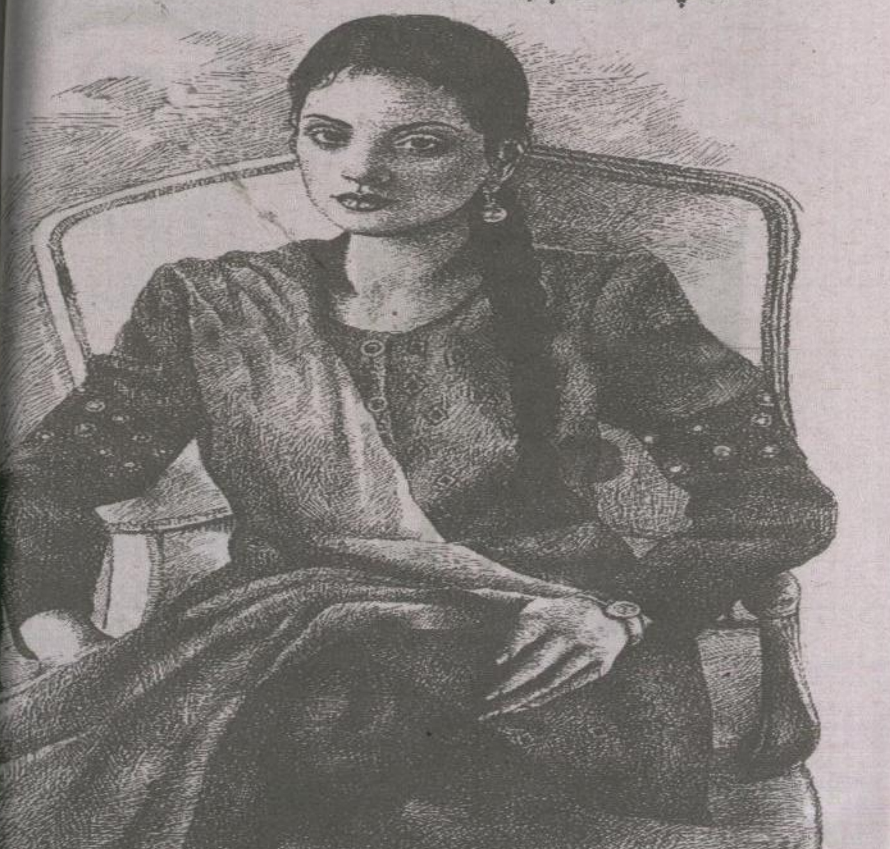

کی بہت کچی ہو"۔

"پہلے کی ژالے اور آج کی ژالے میں زمین آسمان کا فرق آ گیا ہے"۔ وہ اس سے سیدھے منہ بات ع نہیں کرنا چاہتی تھی، قسمت نے بھی کہاں لا کر کس کے رحم و کرم پر مارا تھا۔

"مطلب پہلے تمہارے سر پر سینگ نہیں تھے اور اب تمہارے سر پر سینگ نکل آئے ہیں، ہے ناں؟" پر مزاح انداز میں بولتا وہ اس کے برابر میں ہی بیٹھا تھا، وہ ایک جھٹکے سے اس کے پاس سے اٹھی تھی۔

"دیکھیے مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور.... اور آپ مجھ سے دور رہ کر بات کریں بلکہ آپ کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ مجھ سے مخاطب ہی نہ ہوں"۔ زرمیل نے ایک جاندار زندگی سے بھرپور قہقہہ ا کمرے میں پھیلی خوشبو سے معطر فضاؤں میں لگایا تھا۔

"او کے کوشش کروں گا مگر فی الحال تو تمہاری لڑائی مجھ سے ہے ناں، کھانے سے تو نہیں، اس لیے شاباش کھانا کھا لو، ورنہ دوسری صورت میں مجھے تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانا پڑے گا، جس میں مجھے کوئی عار محسوس نہیں ہوگا، اب تم بتاؤ کھاؤ گی میرے ہاتھ سے کھانا؟" وہ بھی کھڑا ہوا اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

ژالے کو اس پہاڑ جیسے وجود کے آگے اپنا آپ بہت ہی چھوٹا لگا تھا، اگر وہ چاہتی بھی تو بھی مزاحمت نہیں کر سکتی تھی اس کا مقابلہ کرنا اس کے نازک وجود کے بس کی بات نہیں تھی، اور جب خالی پیٹ ہو تو اور ناممکن تھی، وہ اسے گھورتی اپنا پیر پٹختی اس کے سامنے سے ہٹی اور کھانے کی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئی، پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکالے اس پر اسپیگیٹی سلاد ڈالی اور چمچے سے دھیرے دھیرے کھانے لگی اس پل وہ خود کو اس قدر بے بس و تہ محسوس کر رہی تھی کہ صرف دل سے یہی دعا نکل رہی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

زرمیل نے بغور اس کا سندر مکھڑا دیکھا تھا اس کی گرین کانچ میں ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، جسے وہ باہ آنے کا راستہ نہیں دے رہی تھی، صاف لگ رہا تھا کہ وہ کھانا بھی زبردستی حلق سے نیچے اتار رہی ہے اس کے ہاتھوں کی لغزش سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس بڑھتی ہوئی ٹھنڈ میں کپکپا رہی تھی، وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی سے بھی گھبرا رہی تھی، اپنے گھر اپنوں سے دور وہ یہاں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی زرمیل تھا تو اس کا شوہر جس کا مقام ہر رشتے سے بڑا تھا، مگر اس کے لیے وہ صرف نام کا شوہر تھا۔

"بس اب مجھ سے اور نہیں کھایا جائے گا"۔ اس نے دو تین لقمے کے علاوہ بالکل نہیں کھایا تھا اور چمچہ پلیٹ میں رکھے کمرے میں بنی گلاس ونڈو کے آگے کھڑی ہو گئی تھی، بس اب برداشت نہیں ہو رہا تھا اس کا دل دکھنے لگ تھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ اب بند ہی ہو جائے گا، وہ رونا نہیں چاہتی تھی اور اس شخص کے سامنے تو بالکل بھی نہیں جا اس کی اس حالت کا ذمے دار تھا، مگر کیا کرتی اس کا حوصلہ پست پڑنے لگا تھا، تادیر سمندر آنکھوں میں ٹھہر ہی نہیں سکا تھا اور اپنے بہنے کا راستہ نکالتا چلا گیا تھا، وہ کیوں رو رہی تھی، ان حالات پہ اپنی بے بسی پہ یا اس بند کمرے میں اس تنہائی میں زرمیل کی موجودگی سے۔

زرمیل جو بغور اسی کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا آرام آرام سے چلتا ہوا بالکل اس کے پیچھے اس کے بے حد قریب آ ٹھہرا تھا اپنے دونوں آہنی مضبوط ہاتھ اس کے نازک شانے پر دھرے اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

"کیوں مجھے تکلیف دے رہی ہو، تمہیں، بہت مزہ آتا ہے ناں مجھے درد دے کر خوشی ہوتی ہے تمہیں، میری بے بسی پر ایسی حالت پر تمہارے دل کو تسکین ملتی ہے، کیونکہ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں، مگر تم جان

کر مجھ سے نگاہ چراتی ہو، مجھ سے کترا کے نکل جاتی ہو"۔ زرمیل نے اس کی ٹھوڑی پر اپنی انگشت شہادت رکھی اور اس کا بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا، ژالے نے بہت مشکل سے اپنی بھیگی گرین کانچ اوپر اٹھائے تھے۔

"اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے، دو سال سے جو میں پل پل مر رہی ہوں، جتنی اذیت میں نے سہی ہے، اس کا کوئی حساب نہیں ہے؟" وہ بھی بھڑکی تھی اس کے الزام پر، اس کے دونوں ہاتھ اپنے شانوں سے ایک جھٹکے سے ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"مگر میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں"۔

"کوئی ازالہ نہیں ہے اس کا، اگر ہے تو صرف ہماری جدائی، آپ کو مجھے بھولنا پڑے گا، کیونکہ میں آپ کو بھول چکی ہوں"۔ ژالے نے کہتے ہوئے اپنا رخ اس کی سمت سے پھیر لیا تھا۔

"یہی بات میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو"۔ زرمیل نے ایک جھٹکے سے اس کا نازک بازو اپنی مضبوط ہتھیلی کی گرفت میں مقید کیا اور ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب تر کیا تھا، ژالے اس افتاد کے لیے قطعی تیار نہیں تھی، توقع نہیں تھی کہ زرمیل یہ حرکت کر جائے گا، مگر وہ بھول گئی تھی کہ زرمیل سے اب ہر بے باکی کی توقع کی جا سکتی تھی، وہ اس کے چوڑے سینے سے لگی اپنی بے ترتیب سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جو اس کی گرم سانسوں سے الجھنے لگی تھیں۔ اسی وقت باہر ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی تھی جانے کیا ہوا تھا بجلی گری تھی، بادل گرجے تھے، دھماکہ ہوا تھا یا پھر کہیں برف کا بھاری تودہ گرا تھا، جس کی وجہ سے نہ صرف بجلی معطل ہوئی بلکہ اس گہرے سناٹے میں دور کہیں سے کسی جانور کی عجیب غرانے کی آواز آ رہی تھی، پورا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، ژالے کا دل بہت بری طرح دھڑکا تھا، اس کا سانس اندر ہی اٹک گیا تھا، اپنے بالکل قریب زرمیل کے سینے سے لپٹی اس کی شرٹ کو دونوں ہاتھوں میں زور سے دبوچ لیا تھا،

"یہ..... یہ..... کیسی آواز ہے زرمیل! مجھ..... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے میری ماما کے پاس جانا ہے"۔ وہ تو باقاعدہ رونے لگی تھی، وہ کسی معصوم بچی کی طرح اس سے لگی اس کے اندر پناہ ڈھونڈ رہی تھی، ہر ڈر سے چھپ جانا چاہتی تھی، زرمیل نے بہت گہرائی سے اس کو محسوس کیا تھا۔

"کس قدر پاگل ہوتی ہیں یہ صنف نازک بھی جن سے زخم ملتا ہے مرہم بھی ان ہی سے لگوانا چاہتی ہیں"۔ زرمیل نے اس کے گرد اپنا مضبوط حصار کھینچ دیا تھا۔ اس کے ہچکیوں کے زد میں وجود کو خود میں چھپا لیا تھا اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے اور دونوں بازوؤں میں اس نازک پیکر کو بھرے وہ بستر تک لے آیا تھا اور بہت احتیاط سے بستر پر لٹا دیا تھا۔

"بس کچھ نہیں ہوا، میں ہوں ناں، ڈرو مت... آج میں تمہاری ساری ناراضی خود میں سمو لوں گا، تمہارے ایک ایک دکھ کا اذیت کا مداوا کر دوں گا، تمہارے سارے زخموں پر اپنے پیار کا مرہم رکھ دوں گا، میں تمہیں مزید بکھرنے نہیں دوں گا ژالے!" وہ اس کے ڈرے سہمے چہرے پر اپنی انگلیوں کے لمس پھیرنے لگا تھا، اور جب تک ژالے کو ادراک ہوا بہت دیر ہو چکی تھی وہ پوری طرح زرمیل کی مضبوط بانہوں میں قید ہو چکی تھی، زرمیل نے اس کے گرد اپنی گرفت کا دائرہ مزید تنگ سے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا، نہ تو اسے غصہ کرنے کا موقع دیا تھا نہ ہی کسی قسم کی مزاحمت یا احتجاج کا، وہ جتنا بکھرتی وہ مزید اسے سمیٹتا چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

وہ قد آور آئینے کے آگے اپنے لمبے بالوں میں برش پھیر رہی تھی، آئینے میں بیڈ پر نیم دراز عارفین کا عکس

صاف دکھائی دے رہا تھا۔

”آپ کو اس طرح نہیں بولنا چاہیے تھا، جانے ژالے میرے بارے میں کیا سوچے گی“۔ عارفین جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا سر اٹھا کے مقسوم کو دیکھا تھا۔

”کس بارے میں؟“ اس نے میگزین بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، پھر مقسوم کو بغور دیکھنے لگا تھا، اس کے دلکش سراپے میں اس کے لمبے گھنے بالوں میں نظریں الجھنے لگی تھیں، بے شک وہ بہت حسین تھی، چاند کی طرح روشن چمکتا چہرہ پہلی نظر میں اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا، اس کا دل کب اس کا ہوا کب وہ اس سے محبت کر بیٹھا، وہ سوچتا ہی رہ گیا، وہ کسی خوبصورت دعا کی طرح بن مانگے اس کے رب نے اس کی جھولی میں ڈال دی تھی کہ وہ اس کی محبت ہی نہیں اس کا عشق بن کر اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی، اس کی محبت اس کی آتی جاتی سانسوں میں خوشبو کی طرح مہک رہی تھی، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ مقسوم اس بات سے بے خبر انجان ہے یا پھر جان کر انجان بننے کی کوشش کرتی تھی۔

”یہی کہ میں نے آپ کو منع کیا ہے باہر نکلنے سے“۔ اس کی گہری ہوتی سوچوں کا قفل ٹوٹ چکا تھا۔

”تو تم واقعی چاہتی تھیں کہ اس ٹھنڈ میں ان خراب حالات میں، میں باہر نکلتا“۔

”اب میں نے یہ بھی نہیں کہا“۔ آج کی ٹھنڈ کو محسوس کر کے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

”تو پھر وہ کہو ناں جو میرے کان سننے کے لیے شدت سے بے تاب ہیں“۔ بالکل قریب سے یہ آواز اس کے پاس گونجی تھی، وہ نہایت چونک کر جیسے ہی پلٹی تھی عارفین اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا، اس کے قدم ڈگمگائے تھے، خود کو بچانے کی سعی میں اس نے بے ساختہ ہی اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تھا، عارفین کی آنکھوں میں اس کے ذرا سے لمس سے خماری سی چھانے لگی تھی، اس پل تو بالکل بھی کنٹرول نہیں ہو رہا تھا، دل بے قابو سا بے قرار سا اس کی قربت پانے کے لیے ہمکنے لگا تھا، اس نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس کی نازک مرمریں کمر کے اردگرد مضبوط سا حصار کھینچ دیا تھا، اس کو اپنے سے اس قدر قریب تر کر لیا تھا کہ معمولی سا انچ بھر فاصلہ بھی مٹ چکا تھا، وہ کچھ جاننا، کچھ سوچنا سمجھنا نہیں چاہتا تھا، صرف اس کو یہ احساس کرانا چاہتا تھا کہ اس کی محبت میں اس کے عشق میں روز بروز کس قدر شدت بڑھتی جا رہی ہے وہ آج اپنے رشتے کی تمام دوریوں کو نزدیکیوں میں بدلنا چاہتا تھا۔

مگر اس کے برعکس مقسوم کے جذبات و احساسات بالکل مختلف تھے، اس کا تو جیسے سانس رکنے لگا تھا، دل کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی تھی، دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا، اپنے وجود پر جس طرح اس کے بازوؤں کے حصار کی گرفت مضبوط تھی ایسا لگ رہا تھا، جیسے کسی جان لیوا اژدھے نے اسے مضبوطی سے اپنے شکنجے میں جکڑ لی ہے، اس کی گرم سانسوں کے تھپیڑوں سے اسے اپنا وجود ایک دہکتی ہوئی آگ کی لپیٹ میں جھلستا ہوا محسوس ہور تھا، کہ پل بھر میں ہی جیسے وہ خاک کا ڈھیر بن جائے گی، سیاہ آنکھوں کی پتلیوں پر گھپ اندھیرا سا چھانے لگا تھا اور پھر جھپک سے ان سیاہ آنکھوں کی پتلیوں پر ایک چہرہ واضح نمودار ہونے لگا تھا اور وہ چہرہ تھا اس کی بیسٹ فرینڈ سومی کا جسے وہ دھوکہ دینے کا سوچ ہی نہیں سکتی تھی، اس سے بے وفائی کا تصور بھی کیسے کر سکتی تھی، وہ امانت میں خیانت کرنے کی گناہ گار نہیں بن سکتی اور پھر جب وہ کچھ نہیں بھولی تو عارفین کیسے اسے فراموش کر سکتا تھا اسے یہ یقین ہونا چاہیے تھا کہ اس کے تمام عہد و وعدے سومی کے لیے تھے اس کی محبت و چاہت اس کی فرقت صرف اور صرف سومی تھی اور کوئی نہیں، اور وہ ایسا نہیں ہونے دے گی عارفین کو بھٹکنے نہیں دے گی، اس کی راہ سے بھٹکنے نہیں دے گی، اس کا وعدہ اسے بھولنا نہیں دے گی۔

عارفین اس کے چہرے پر جھکنے لگا تھا کہ مقسوم نے اپنی پوری جان لگا کر اس کے چوڑے سینے پر اپنی دونوں ہتھیلیاں جما کر اسے ایک جھٹکے سے اپنے سے الگ کیا تھا، عارفین اس حملے کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھا اور نہ ہی مقسوم سے ایسے ردعمل کی توقع تھی۔

”کیا کر رہے ہیں آپ.... اور کیوں.... آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟“ وہ آج اتنے عرصے میں پہلی بار مقسوم کو اتنے شدید غصے میں دیکھ رہا تھا۔

”آپ سومی کو دھوکہ دے سکتے ہیں اسے بھول سکتے ہیں مگر میں.... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، سومی سے دغا کرنے کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتی، مجھے اس کا خیال چوبیس گھنٹے رہتا ہے، تو کیا آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں آتا ہوگا، عارفین صاحب! اپنے جذبات کو سنبھال کے رکھیں، یہ صرف اور صرف سومی کی امانت ہے، اس میں خیانت کر کے مجھے گناہ گار مت کریں، آپ کا نفس بے شک کمزور ہو سکتا ہے مگر میرے ارادے نہ صرف مضبوط ہیں بلکہ مجھے اپنے اعصاب پر بھی کنٹرول حاصل ہے، مت آیا کریں میرے قریب نہ ہی مجھے چھونے کی کوشش کیا کریں“۔ اتنی تضحیک و توہین کتنی بے دردی سے اس نے اس کی محبت کو اپنے پیروں تلے مسل دیا تھا، بلکہ اس کے پاک و صاف شفاف جذبات کو نفس کا نام دے دیا تھا، ایسا محسوس ہوا جیسے سرعام اس نے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مار دیا ہو، جس کی آواز دور دور تک گونجی تھی، ایسی واہیات گالی دی ہو جو عارفین کے دل پر انا بن کر ضرب سی لگی تھی، مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر خود کی بے عزتی، نفس کی غلامی کا طعنہ برداشت نہیں کر سکتا، اور وہ بھی عارفین جیسا مرد تو کبھی بھی نہیں، جس نے نہ صرف اس سے محبت کی تھی بلکہ اسے عشق بن کر پوجا تھا، اس کی دل ہی دل میں پرستش کی تھی، دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھا دیا تھا، اور مقسوم نے کیا کیا؟ اس کے بڑھتے قدموں کو کوئی اور نام دے دیا، اپنے آپ سے جس طرح ہٹایا تھا جیسے وہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو، عارفین کے غم و غصے کی شدت سے اعصاب تن گئے تھے، ان براؤن آنکھوں میں شرارے سے دوڑنے لگے تھے خود کا اس طرح بے عزتی و بے دردی سے جھڑکے جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

مقسوم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال کر سائیڈ سے جانے لگی تھی کہ عارفین نے نہایت بے دردی سے اس کا بازو اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑا تھا اور ایک جھٹکے سے اسے اپنے سے اس قدر نزدیک کیا تھا کہ اس کی گرم سانسوں سے مقسوم کو اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا، اس کا دل تھم سا گیا تھا، عارفین کی آنکھوں میں آج وہ اتنے عرصے میں پہلی بار اس قدر غصہ دیکھ رہی تھی، ان آنکھوں میں جو غیض و غضب، جو جاہ و جلال تھا، وہ اسے آج شاید خاکستر کر دے گا، مرد کے غصے کے آگے عورت کا غصہ کچھ نہیں ہوتا ہے یہ اس نے ابھی اس وقت جانا تھا۔

”اتنا کچھ بول گئی ہو وہ بھی سب فضول، تو شکر ادا کرو کہ میری جگہ کوئی اور مرد نہیں تھا، ورنہ تمہاری اس فضول بکواس کا جواب تمہیں ابھی اسی وقت اچھی طرح ملتا“۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جملہ کہا تھا اور وہ اتنی ناسمجھ تو نہیں تھی کہ اس ایک جملے کا مطلب نہیں سمجھ پاتی، لندن پلٹ تھی، اچھی طرح اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی، گھنیری سیاہ پلکیں خود ہی رخسار پر سجدہ ریز ہو گئی تھیں، عارفین کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، اس نے اپنی گرفت اس کے بازو پر ذرا اور سخت کر دی کہ وہ کراہ کے رہ گئی تھی۔

”اور کس دھوکے کی بات کرتی ہو تم مقسوم بی بی! دھوکہ تو تمہاری دوست نے تمہیں دیا ہے، اپنی جگہ تمہیں بٹھا دیا اور خود جانے کہاں فرار ہو گئی، مگر میری جس لڑکی سے شادی ہوئی ہے وہ تم ہو تمہاری دوست نہیں سب کے سامنے نکاح نامے پر دستخط تم نے کیے ہیں تمہاری دوست نے نہیں، ایک ایک رسم میری تمہارے ساتھ ہوئی ہے،

تمہاری دوست کے ساتھ نہیں، تمہارے ہاتھوں پر جو مہندی لگی تھی وہ میرے نام کی تھی، جو سرخ جوڑا تم نے پہنا تھا تمہارا روپ وسروپ اس دن سجایا گیا تھا وہ سب میرے نام کا تھا، پھر بھی تم کہتی ہو کہ تمہاری دوست کو سوچوں.... کہ اگر تمہارے ساتھ میں کچھ کرتا ہوں تو تمہاری دوست کے ساتھ دھوکہ ہوگا، امانت میں خیانت ہوگی، محترمہ! جائز وشرعی رشتے سے تم میری بیوی ہو، تمہاری دوست نہیں، آج ہماری شادی کو چار ماہ ہوگئے ہیں، مگر تمہاری دوست کا کچھ اتا پتا نہیں، پتا تو دور اس نے تو تمہیں ایک فون کال تک کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی پھر بھی تم کہتی ہو کہ وہ تمہارے ساتھ فیئر ہے"۔ عارفین نے غصے سے تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنے سے ایک جھٹکے سے دور کیا تھا، کہ وہ واپس ڈریسنگ ٹیبل سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

"مجھے اپنے نفس واعصاب پر بہت کنٹرول حاصل ہے، میری محبت اتنی سستی نہیں کہ تم اسے اپنے پیروں تلے روندوگی، بلکہ غلطی تو میری ہے جو اپنی محبت تم جیسی بے حس بے درد لڑکی کے نام کرنے چلا تھا، ورنہ تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے، تم نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہو تو احساس بھی ہوتا، اس نرم جذبے کا، تمہیں تو صرف اپنی دوست کی فکر ستاتی رہتی ہے، مگر آج جو تم نے مجھے طعنے دیئے ہیں میرے احساسات وجذبات کو گالی دی ہے میری تضحیک آمیز بے عزتی کی ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا، ہونہہ.... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تم نے مجھے میری اوقات بتائی ہے، مجھے آئینہ دکھا دیا ہے، اور اگر میں چاہوں تو....!" وہ پھر سے اس کے بے حد قریب آیا تھا اور اس کے گالوں کو اپنے ہاتھ سے اس طرح سختی سے دبوچا کہ ان سیاہ آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی، اس کی انگلیاں اس کے گالوں میں دھنستی جارہی تھیں، جس سے اسے تکلیف ہورہی تھی۔

"تمہیں ابھی اسی وقت تمہاری بات کا جواب دے سکتا ہوں، یہ جو اپنی دوست کی داستان سناتی رہتی ہو آئندہ میرے سامنے اس کا نام تک نہیں لوگی، صرف چند لمحوں کی بات ہے، مگر نہیں..... میں ایسا کچھ نہیں کروں گا کیونکہ میں ایک تو زبردستی کا قائل نہیں ہوں دوسرا ایسے رشتے دل کی آمادگی پر استوار کیے جاتے ہیں، تمہیں حاصل کرنا ہی ہوتا تو شادی کی رات تمہارے نام کے ساتھ تمہارا وجود بھی میرے نام سے مہکتا آج جو تم نے یہ فضول حرکت اور بکواس کی ہے، وہ نہیں کرتیں، مقسوم بی بی! تمہارا حصول میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے"۔ کس قدر سرد لب ولہجے میں اس نے مقسوم کو باتیں سنائی تھیں اور وہ ایک ایک لفظ اس کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہوکر اس کا دل ہی نہیں پورا وجود چھلنی چھلنی کررہا تھا، اس کی برداشت ختم ہوگئی تھی، ضبط کی ساری حدیں ٹوٹ گئی تھیں ان سیاہ آنکھوں سے گرم گرم سیال نکل کر عارفین کی ہتھیلی بھگونے لگے تھے، ان بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر عارفین کچھ نرم پڑا تھا مگر اندر جو ایک تلاطم بپا ہوا تھا وہ کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا اپنے وجود کی نفی کیسے برداشت ہوتی، وہ بھی اس صورت میں جب وہ پوری سچائی وایمانداری کے ساتھ اپنے صاف وشفاف جذبات واحساسات سمیت اس کی طرف بڑھا تھا، مگر اس کا صلہ اسے یہ ملے گا، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، اس نے مقسوم کے چہرے سے اپنا ہاتھ ہٹایا، اور ایک زوردار مکا بنا کر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر مارا تھا کہ شیشہ ٹوٹ کر نہ صرف اس کے ہاتھ کی پشت پر کٹ کا نشان مار گیا تھا بلکہ خون کا فوارہ سا ابل پڑا تھا، ڈریسنگ ٹیبل پر جو بھی میک اپ وغیرہ رکھا تھا، وہ سب بکھر کے نیچے قالین پر ماتم کدہ تھا۔

مقسوم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ پتھرا کے رہ گئی، بالکل ساکت وجامد ہوکر اس کی ہتھیلی سے نکلتے خون کو دیکھنے لگی تھی، عارفین نے پھر اس پر بھول کر بھی نگاہ غلط نہیں ڈالی تھی اور کمرے سے ہی نکلتا چلا گیا تھا، مقسوم اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک یوں ہی کھڑی رہی تھی، کانوں میں ابھی تک اس کے سخت وسرد لفظوں کی بازگشت تھی، جو اس کے دل ودماغ سے چپک کر رہ گئے تھے، معلوم نہیں کس کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی، اس کے ساتھ یا پھر عارفین کے ساتھ، وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی رکی ہوئی سانس قدرے بہتر ہوئی تھی، چہرہ گھٹنوں میں دیئے وہ ہچکیوں کی زد میں تھی، آج اس کی ذات خود اس کے لیے مشکل میں پڑ گئی تھی۔

"سومی! کہاں ہو خدارا واپس آجاؤ"۔ اگر وہ کچھ دیر اور یہاں ٹھہرتا تو یقیناً اس کا وجود تہس نہس کردیتا، مگر اس نے غصہ جتنا کنٹرول کیا وہی جانتا تھا، زندگی میں بہت وہ غصہ ہوا تھا، مگر آج تو حد ہی ہوگئی تھی، اور اس سب کی وجہ وہ دشمن جاں مقسوم تھی۔

☆............☆............☆

وہ بے خبر آرام سے بلینکٹ میں سو رہی تھی، اس کے چہرے پر زمانے بھر کا اس قدر سکون واطمینان تھا، جیسے زندگی کی ساری تھکن اتر گئی ہو، دل پر جو ایک بھاری سل تھی، وہ ہٹ گئی ہو، ان سبز آنکھوں میں جو ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، وہ تھم گیا تھا، دل ودماغ میں جو بھی غبار تھا، وہ سب کل اس بیتی رات میں دھل گیا تھا، اس معصوم چہرے پر کسی قسم کی کوئی اذیت کوئی تکلیف نہیں تھی، بلکہ شاید وہ بند سبز آنکھیں کوئی خوبصورت حسین خواب دیکھ رہی تھیں، جس کی وجہ سے ان گلابی پنکھڑی لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کھل رہی تھی، زرمیل یہ سب بغور دیکھتا اس کے پاس ہی بیٹھا تھا وہ اس قدر گہری نیند میں تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ اس کے بہت قریب بیک کراؤن سے ٹیک لگائے یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پر بالوں کی کچھ چھوٹی چھوٹی بکھری لٹوں پر وہ اپنی انگلیاں پھیرنے لگا تھا، اور اسی اثناء میں اس کا موبائل بجنے لگا، زرمیل نے چہرہ گھما کر سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل کو دیکھا، اسکرین پر ثمرن کالنگ لکھا آرہا تھا، وہ ہولے سے مسکرادیا اور ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے موبائل اٹھائے یس کا بٹن پریس کیے کان سے لگالیا تھا۔

"السلام علیکم!" ثمرن نے ادب سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!"

"زرمیل! ژالے کہاں ہے مجھے اس سے بات کرنی ہے، کب سے میں اس کا موبائل ٹرائی کررہی ہوں، مگر مسلسل آف ہی جارہا ہے، پوری رات میں اس کے لیے پریشان رہی ہوں، جاگتی رہی ہوں اس کے لیے"۔ لب ولہجے میں حد درجہ فکرمندی کے آثار واضح جھلک رہے تھے، جس پر وہ مسکرادیا۔

"پھر تو تمہاری پریشانی اور رات بھر کا جاگنا بے کار گیا"۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟"

"اب اس کا مطلب تو تمہیں تمہاری نند صاحبہ ہی بتائے گی، فی الحال تو وہ اس وقت بہت گہری نیند میں سو رہی ہے"۔ ذومعنی لب ولہجے میں بولتے ہوئے اس نے ژالے کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھا تھا۔

"زرمیل! تم جانے کیا بول رہے ہو، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، تم بس میری ژالے سے بات کرواؤ، وہ رات کو رو رہی تھی، اور پھر میں نے بھی تو اسے ڈانٹ دیا تھا، میں ژالے سے بات کرنا چاہتی ہوں"۔

"یار! بالکل کروادیتا، لیکن وہ واقعی بہت گہری نیند سو رہی ہے، لگتا ہے محترمہ دو سال کی نیند پوری کررہی ہیں"۔

"تم سچ بول رہے ہو ناں، وہ سو رہی ہے؟" ثمرن یقینی بے یقینی کی کیفیت میں تھی،

"اب یقین کرنے کی دوسری وجہ کیا ہے وہ بتاؤ مجھے تاکہ اسی طرح سمجھادوں تمہیں؟" وہ جانتا تھا ثمرن کی

گئیں، وہ گھنیری پلکیں شرم وحیا سے لرزنے لگی تھیں، زرمیل کے یوں پرشوق انداز سے دیکھنے پر چہرہ گلنار کی ما کھلنے سا لگا تھا، اس کے چہرے کی سرخی میں مزید اضافہ سا ہونے لگا تھا، زرمیل تو جیسے اس کی ادا پر فریفتہ جا ہو گیا، اپنی دیوانگی و بے قراری کی مہر جا بجا اس کے چہرے پر ثبت کرتا چلا گیا تھا۔

دروازے پر دھیرے سے دستک ہونے لگی تھی، زرمیل نے بھرپور نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور مسکراتا کھڑا ہو گیا، ژالے اپنی بے ترتیب بے قابو ہوتی دل کی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھے انھیں اعتدال پر لانے کی کوش کرنے لگی تھی۔

”سر! آپ کا آرڈر“۔ دروازے پر ویٹر تھا جو ٹرالی کھسکاتے ہوئے چلا آیا تھا، شام کی چائے کے ساتھ نے پیزا ابھی آرڈر کر دیا تھا، وہ جانتا تھا کہ ژالے کو پیزا بہت پسند ہے، اور میٹھے میں لب شیریں۔

”چلو پہلے چائے پیتے ہیں پھر کوئی اور بات ہوگی“۔ زرمیل ٹرالی گھسیٹتا ہوا اس کے پاس لے آیا تھا، ژا نے چائے کا کپ اٹھایا۔

”ارے یہ کیا؟“ زرمیل کا اشارہ اس کے خالی چائے پینے کی طرف تھا۔

”یہ پیزا کون کھائے گا میں نے اسپیشلی تمہارے لیے آرڈر کیا ہے، ورنہ تم تو جانتی ہو کہ مجھے پیزا بالکل نہ پسند“۔

”میرا دل نہیں چاہ رہا ہے“۔ ہولے سے انکار کیا تھا۔

”جی نہیں تم نے دوپہر میں بھی بہت تھوڑا سا کھایا تھا، چلو ٹھیک ہے صرف تمہاری خاطر میں تمہارا ساتھ د کو تیار ہوں“۔ اس نے مسکراتے ہوئے ایک پلیٹ اٹھا کر اپنے لیے ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس میں ڈالا پھر ژالے لیے ایک پلیٹ بنائی، ژالے نے بہت حیرانگی بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ صرف اس کی خاطر وہ پیزا رہا تھا، ورنہ وہ جانتی تھی کہ زرمیل کو پیزا سخت ناپسند ہے۔

☆............☆............☆

وہ سب کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں، ریحان شیخ کی فرمائش پر چکن نہاری اور چا رائس بنا رہی تھیں، اس نے دیکھا تھا کہ یہاں رات کے کھانے پر ٹیبل پر میٹھے کا اہتمام لازمی ہوتا ہے، اس اس نے سویوں کا زردہ بنا لیا تھا، بلکہ ریحان شیخ نے تو دو تین اور ڈشز کھانے کی اور میٹھے کی بول دی تھیں، مگر نے کہا کہ یہی بہت ہے اتنا کھانا بنا کے کیوں ضائع کریں، خرچہ الگ ہوگا اسے معلوم تھا کہ ریحان شیخ کی خورا زیادہ نہیں تھی وہ صرف ان لوگوں کی وجہ سے بول رہے تھے۔

”مقسوم...!“ ثمرن چائنیز رائس کے لیے باریک باریک سبزیاں کاٹ رہی تھی کہ سویاں بھونتی مقسوم کو تھا۔

”جی ثمرن بھابی!“ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

”تم نے عارفین کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دی تھی“۔

”جی.... جی.... نہیں“۔ ثمرن کے یوں اچانک پوچھنے پر وہ بوکھلا کے رہ گئی۔

”اف اوہ... مقسوم! عارفین کا بہت گہرا زخم آیا ہے، خیر تم یہ سارے کام چھوڑو اور سب سے پہلے جا کر عار کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دو، جاؤ شاباش!“

”ثمرن بھابی! بس یہ سویاں کر دوں پھر کرتی ہوں“۔ وہ جانتی تھی کہ عارفین اس سے ڈریسنگ نہیں کروا

گا۔

”میں کہہ رہی ہوں ناں، تم چھوڑ دو، یہ نوری دیکھ لے گی، نوری! یہ سویاں تم تیار کر دو“۔

”جی بی بی جی!“ نوری فوراً آگے بڑھی تھی۔ مقسوم مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی، اب اکیلے میں اس کا سامنا کیسے کرے، سب کے سامنے تو عارفین نے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس سے ناراض یا بدگمان ہے، مقسوم کے کچن سے نکلنے کے بعد حرا نے رضا کو کاؤنٹر پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ تھما دی، جاتی ہوئی مقسوم کو نہایت گہری نظروں سے دیکھا تھا اس نے، اور ثمرن کے پاس بڑھی۔

”ثمرن بھابی! اپنی یہ مقسوم بھابی کا مزاج کچھ الگ نہیں ہے نئی نویلی دلہنوں والے انداز تو بالکل نہیں ہیں، نہ ہی کوئی ناز و نخرہ ہے، ورنہ نئی نویلی دلہنیں تو اپنے ہسبینڈ کے پاس بیٹھنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں مگر میں نے تو یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ عارفین بھائی کے ہاتھ پر لگے گہرے زخم کی فکر جیسے ان کو ہونی چاہیے وہ انھیں بالکل نہیں ہے، ورنہ کیا انھیں سب کام وغیرہ چھوڑ چھاڑ کے ان کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے تھا، مگر وہ تو بالکل لاپروائی برت رہی ہیں“۔ حرا کو عجیب سا شک گزرا تھا۔

”نہیں یہ سب میں نے تو نوٹ نہیں کیا ہے“۔ ثمرن نے بغور حرا کو دیکھا تھا۔

”چلیں اب کیجیے گا“۔

”حرا! بری بات.... کسی کے پرسنل میں انٹرفیئر نہیں کرتے“۔ ساری سبزیاں تقریباً کٹ چکی تھیں جنھیں وہ اب پتیلی میں ڈال رہی تھی۔

”نہیں ثمرن بھابی! میرا وہ مطلب نہیں تھا“۔ وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی۔

”اینی ویز... یہ سب فضول باتیں چھوڑو، یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے، تم رضا کو دیکھو وہ کیا کر رہا ہے، اگر بھوکا ہو تو اسے تو نر بنا کے کھلا دو، میں اتنے چاول بھگو دیتی ہوں“۔ وہ پتیلی کا ڈھکن رکھ کے چاول لیے سنک کی طرف بڑھی تھی۔

”جی بہتر...!“ وہ کاؤنٹر پر بیٹھے رضا کو گود میں لیے کچن سے نکلی تھی، مقسوم فرسٹ ایڈ باکس لے کر کمرے یں آئی، عجیب سی جھجک مانع تھی اس کے انداز میں، کس قدر بے حس ہو گئی تھی، کہ اتنی بھی زحمت نہیں کی کہ ارفین کے ہاتھ کا زخم ہی پوچھ لیتی، وہ شرمندہ شرمندہ سی چلتی ہوئی عارفین کے پاس آ ٹھہری، عارفین جو بیڈ پر یٹا تھا آنکھوں پر بازو دھرے جانے وہ سو رہا تھا یا پھر جاگ رہا تھا، اس نے بغور دیکھا تھا عارفین نے اپنا وہی تھ آنکھوں پر دھرا تھا، جو زخمی تھا اس نے آہٹ پر بازو چہرے سے ہٹایا تو اپنے قریب ہاتھ میں فرسٹ ایڈ کس لیے مقسوم کو پایا، وہ جو ٹکٹکی باندھے یک ٹک اسے دیکھنے میں مگن تھی، ہٹپٹا کے رہ گئی۔

”وہ میں.... آپ کے ہاتھ.... کی ڈریسنگ کرنے آئی تھی“۔ نگاہ جھکائے جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف رر ہا ہو۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب ضرورت ہوگی تو میں خود کر لوں گا“۔ سرد لب و لہجے میں کہتے ہوئے س نے پھر سے آنکھوں پر بازو دھر دیا تھا، وہ خاموش ہو کر رہ گئی مگر یہ خاموشی چند پل کی ہی تھی۔

”دیکھیے پلیز! مجھے اور آزمائش میں مت ڈالیے، مجھے ویسے ہی شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ یہ سب ری وجہ سے ہوا ہے“۔

”اچھا بہت خوب تو تمہارے اندر احساس کا جذبہ ہے، حیرت ہو رہی ہے مجھے یہ سن کے“۔ وہ ایک جھٹکے سے ڑا ہوا، اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بغور اپنا عکس وہاں تلاشنے لگا تھا، اس کے یوں اچانک کھڑے

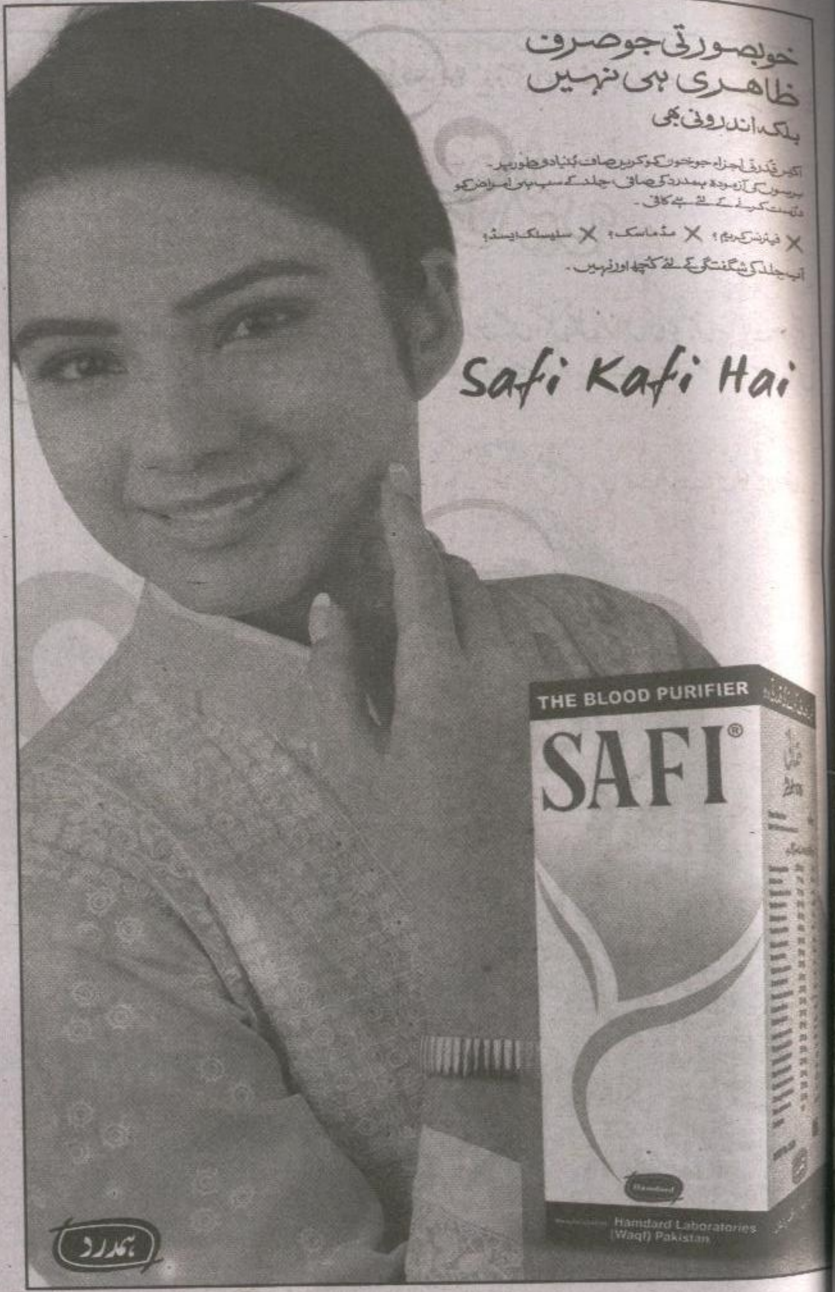
خوبصورتی جو صرف
ظاہری ہی نہیں
بلکہ اندرونی بھی
اکسیر قدرتی اجزاء جو خون کو کریں صاف بنیادی طور پر۔
برسوں کی آزمودہ ہمدرد کی صافی جلد کے سب ہی امراض کو
شکست کرنے کے لئے ہے کافی۔
✕ فیئرنس کریم؛ ✕ فیس ماسک؛ ✕ سلیسلک ایسڈ؛
اب جلد کی شگفتگی کے لئے کچھ اور نہیں۔
Safi Kafi Hai
THE BLOOD PURIFIER
SAFI®
Hamdard Laboratories (Waqf) Pakistan
ہمدرد

ہونے سے مقسوم گڑبڑا کے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

”آپ کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ ایسا؟“ لب و لہجے میں ہلکی سی نمی گھلی ہوئی تھی۔

”تم ایسا ویسا کرنے کی اجازت ہی کب دے رہی ہو؟“ ذو معنی انداز میں بولتا ہوا، ہولے سے مسکرا مقسوم اس کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھ کے نگاہوں کا رخ ہی پھیر گئی، جسے عارفین نے نہایت غور سے دیکھا تھا۔

”اینی ویز..... مجھے اس ڈریسنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے“۔

”مگر آپ کا زخم بھی تو گہرا ہے، ڈریسنگ ضروری ہے“۔

”تمہیں میرے زخم کی فکر ہے؟“ سینے پر دونوں بازو باندھ کر اس کے چہرے کے نقوش دیکھنے لگا تھا پھر مشکل سوال۔

”مجھے ہی نہیں سب کو آپ کی فکر ہے اور ثمرن بھابی نے ہی مجھے آپ کی ڈریسنگ کے لیے بھیجا ہے“۔

”اس کا مطلب اگر ثمرن بھابی تمہیں نہ بھیجتیں تو تم نہیں آتیں؟“

”نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا“۔ وہ صحیح معنوں میں مشکل میں پڑ گئی تھی۔

”تم تو خوش فہمی میں بھی نہیں رہنے دیتی ہو“۔ اور پھر ہولے سے مسکرا کر واپسی بیڈ پر لیٹ گیا، بازو آنکھو پر دھر لیا۔ مقسوم کو بہت افسوس ہوا، اسے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، پھر بھی تھوڑی ہمت کر کے اس کو پکارا تھا۔

”یہ فرسٹ ایڈ باکس یہاں رکھ دو، اور پلیز مجھے نیند آ رہی ہے جاتے ہوئے لائٹ آف کرتی جانا“۔ صاف لفظوں میں اسے اس کمرے سے چلے جانے کے لیے حکم دیا گیا تھا، اس نے نہایت بے بسی سے عارفین کو دیک تھا، فرسٹ ایڈ باکس ٹیبل پر رکھا اور کمرے سے نکلتی چلی گئی، لائٹ آف کرنا نہیں بھولی۔

☆.........☆.........☆

رات کا کھانا وہ دونوں کھا چکے تھے، زرمیل تو بلینکٹ سر تک اوڑھے کب کا سو بھی چکا تھا، آدھے سے زیا بیڈ اس نے اپنے پہاڑ جیسے وجود سے گھیرا ہوا تھا، کمرہ بھی اتنا کشادہ نہیں تھا کہ وہ نیچے ہی سو جاتی اور بالفرض سمٹ کر نیچے لیٹ بھی جاتی تو یقینی تھا کہ وہ برف بن جاتی، کمرے میں اس قدر ٹھنڈ تھی کہ اب اس سے صوفے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا، کافی دیر بیٹھے رہنے سے اس کا وجود شل ہونے لگا تھا، سردی کے مارے جسم میں کپکپاہ سی شروع ہونے لگی تھی، بالآخر اسی فیصلے پر مہر لگا دی کہ اب بیڈ پر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، وہ آرام آ سے چلتی ہوئی بیڈ کے دوسرے کونے پر سکڑ سمٹ کر لیٹ گئی، نیند تو بہت آ رہی تھی، مگر ٹھنڈ جیسے اس کی نس نس م گھس رہی تھی، بلینکٹ بھی ایک ہی تھا، جو زرمیل نے خود پر لپیٹا ہوا تھا، جانے وہ اور کیا کیا سوچتی رہتی کہ ایک زوردار جھٹکے سے اس کی مرمریں نازک کمر کے گرد زرمیل نے اپنا بازو حمائل کر کے اسے اپنی جانب جو کھینچا ک پوری طرح اس کے وجود کا حصہ بنی تھی، ثرالے اس اچانک افتاد کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھی، نہایت سہمی ہو نظروں سے اپنی طرف جھکے اس چہرے کو تک رہی تھی، وہ جو دھیرے دھیرے اس کے سہمے ہوئے چہرے پر ا انگلیوں کے لمس چھوڑ رہا تھا، ان سبز آنکھوں میں وہ اپنا ابھرتا عکس بغور دیکھ رہا تھا، ان سبز آنکھوں میں وہ اپنے نا خواب سجانا چاہتا تھا، ایک نیا جہاں آباد کرنا چاہتا تھا، ان گلابی گداز لبوں پر اپنے نام کی مالا پرونا چاہتا تھا، ا روشن پیشانی پر وہ اپنے پیار کی مہر ثبت کرنا چاہتا تھا، اس کے سینے میں دھڑکتے دل پر براجمان ہو کر وہ راج ک چاہتا تھا، اس کے نام کے ساتھ جڑا اپنے نام کو روشن تا قیامت تک قائم و دائم رکھنا چاہتا تھا، وہ زندگی بھر کا سا نبھانے کا وعدہ چاہتا تھا، اور اس پر عمل کی پاسداری چاہتا تھا۔

(جاری ہے.....)

نام کی چیز ہے بھی یا نہیں، بہو بیاہ کر لائی ہیں نا کہ کوئی نوکرانی، جسے جب چاہا جو کام بول دیا، اگر اتنا دل کر رہا ہے چائے پینے کو تو خود بنا لیں یا پھر اپنی اس روز کی مہمان کو بولیں“۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی، اماں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، عالیہ کی حالت بھی ان سے جدا نہ تھی۔

”حنا! یہ تم کس انداز میں بات کر رہی ہو؟“ انھوں نے بے یقینی سے زبردستی لب وا کیے۔

”مجھے پہلے ہی اس انداز میں بات کر لینی چاہیے تھی، کم از کم آپ سر تو نہ چڑھتیں، اور مجھے اب نہیں رہنا یہاں، سکون برباد کر رکھا ہے، میں جا رہی ہوں یہاں سے“۔ وہ بے وجہ رونے پیٹنے لگی، پھر چادر اوڑھ کر یہ جا وہ جا۔

حنا، عمر کو فون کر کے پہلے ہی خود سے بنائی ہوئی فلم سنا چکی تھی، اس نے پہلے حنا کی بات سنی، گھر آیا تو اماں سے بنا کوئی سوال پوچھے چپ اختیار کر لی، اگلے روز اماں نے بہت نرمی سے کہا کہ وہ حنا کو واپس گھر لے آئے مگر وہ پھر بھی خاموش ہی رہا، اس نے اماں کو اُف تک نہیں کہی تھی، مگر دل ہی دل میں کہیں نا کہیں وہ قصوروار اماں کو ہی سمجھ رہا تھا، اماں اس کی چپ پر پریشان ہو کر رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

”میں تب تک نہیں آؤں گی جب تک تم اپنی اماں کو چھوڑ کر الگ گھر نہیں لے لیتے“۔ یہ حنا کا ایس ایم ایس تھا، عمر کے سیل فون کے ان باکس میں، اماں کا دل بیٹھ گیا، وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کسی صورت بھی خود سے الگ نہیں کر سکتی تھیں، یہ تصور بھی ممکن نہیں تھا، پھر انھوں نے دوسرا میسج کھولا۔

”کم آن عمر! ضروری نہیں کہ پوری زندگی ماں کے پہلو میں گزار دو، وہ اکیلی رہ سکتی ہیں، جب تک ہم ان کے ساتھ رہیں گے تب تک ہم ساتھ سکون سے نہیں رہ سکتے“۔ حنا ایسی زہریلی باتیں بھی کر سکتی تھی انھوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا، عمر کے سوا ان کا تھا ہی کون؟ پھر انھوں نے عمر کے ایس ایم ایس کھولے۔

”میں اماں کا ایک ہی تو سہارا ہوں، وہ جیسی بھی ہیں میری ماں ہیں، تم پلیز گھر آ جاؤ..... بھلے تم ان کا کوئی کام مت کرنا، ان سے بات بھی مت کرنا، پر تم آ جاؤ“۔ عمر کا اس طرح التجائیہ میسج پڑھ کر دل مٹھی میں آ گیا، پورا وجود کانپنے لگا تھا، وہ تو پرائی تھی مگر ان کے بیٹے کی نظر میں بھی اماں ”جیسی بھی ہیں“ تھیں۔ انھوں نے لرزتے ہاتھوں سے دوسرا ایس ایم ایس کھولا۔

”ٹھیک ہے، میں اماں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کروں گا، اور انشاء اللہ ہم اپنا الگ سے گھر لیں گے“۔ موبائل فون ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر بیڈ پر گرا، آنسو پوری رفتار سے آنکھوں سے پھسل کر رخسار پر بہنے لگے، اپنی ہی اولاد کبھی یوں بھی کر سکتی ہے، ان کا عمر کبھی ایسا بھی کر سکتا ہے؟ وہ ایک ہی تو ان کا سہارا تھا، وہ بھی چلا گیا تو پھر زندگی کس کام کی، وہ زار و قطار رونے لگیں۔

عمر آج اپنا سیل فون گھر پر بھول گیا تھا، عالیہ نے آنے میں دیر کر دی تھی، ان کے فون کی بیٹری لو ہو رہی تھی تو انھوں نے عمر کے موبائل سے عالیہ کو ایس ایم ایس کیا، اور پھر یوں ہی عالیہ کا ریپلائی آنے کے بعد انھوں نے باری باری دوسرے ایس ایم ایس پڑھے تو گویا زمین ہی پیروں تلے سے نکل گئی۔

مسلسل ڈور بیل بج رہی تھی، انھوں نے جلدی سے آنسو صاف کیے اور پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھیں، دروازے پر عالیہ کھڑی تھی، جو اپنی تاخیر کے لیے معذرت کر رہی تھی اور جانے کیا کیا بول رہی تھی، وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھیں، دل پر ہاتھ رکھا اور دیوار کا سہارا لیے دھیرے دھیرے زمین بیٹھتی چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

اماں کی اس اچانک ہو جانے والی موت پر وہ چکرا کر رہ گیا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انھیں اتنا بڑا ہارٹ اٹیک کیسے ہو گیا، وہ کہیں کہیں یہ بات بھی سمجھ رہا تھا کہ حنا کے گھر چھوڑنے اور اس کی خاموشی کی وجہ سے وہ پریشان رہتی تھیں، مگر وہ اتنی کمزور عورت تو کبھی بھی نہیں تھیں، حنا کی ناراضی اور گھر چھوڑ جانے کا قصوروار وہ اماں کو ضرور سمجھ رہا تھا، مگر اس نے سوچا تھا کہ اماں کو نرمی سے سمجھا بجھا کر الگ گھر لے لے گا، مگر وہ خود ہی اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں، ان کے جانے کے بعد وہ خود کو بالکل اکیلا محسوس کرتا تھا، گھر میں داخل ہوتا تو گھر اسے کاٹنے کو دوڑتا، اماں کی وفات کے بعد حنا بھی گھر لوٹ آئی تھی، ایک طرح سے وہ آزاد ہو گئی تھی، وہ گھر میں موجود ہوتا تو گھنٹوں اماں کے کمرے میں رہتا، ان کی چیزوں کو چھوتا، محسوس کرتا اور پھر رو پڑتا، حنا کیا کرتی، کہاں جاتی، وہ جاننا ہی نہیں چاہتا تھا، اب تو گھر میں حنا کی امی اور بہنیں، پورا پورا دن بیٹھے نظر آتی تھیں، اسے ہر وقت اماں کی یاد آتی تھی، اس کا سکون لٹ چکا تھا۔

ایک ماہ بعد پلازہ کے گیٹ پر اسے عالیہ نظر آ گئی تھی، اس نے عمر پر نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا، مگر اس نے عالیہ کو آواز دے کر روک لیا۔

”پلیز تھوڑی دیر میری بات سن لو! میں بہت اداس ہوں، اماں کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں“۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے گویا ہوا، وہ دونوں اندر کی جانب بڑھ رہے تھے، دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

”جانے والی چیز ہمیشہ یاد آتی ہے مگر جب وہ پاس ہوتی ہے تو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی قدر ہوتی ہے“۔ وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

”ایسی بات نہیں ہے، وہ میرے لیے سب کچھ تھیں“۔ اس نے نفی کی تو اس نے عالیہ والے انداز میں عمر کو دیکھا۔

”سب کچھ تو نہیں تھیں مسٹر عمر! اگر سب کچھ ہوتیں تو آپ اپنی بیگم کے الگ گھر لینے پر راضی کبھی نہ ہوتے“۔ وہ ٹھہر کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھیں، وہ ہکا بکا ہو گیا، پھر سنبھل کر بولا۔

”اماں کو ہاسپٹل بھی تو تم لے گئی تھیں، اور مجھے پتا چلا کہ سانسیں بند ہونے سے قبل انھوں نے تم سے بات بھی کی تھی، کیا بات کی تھی؟“ وہ نظریں چراتا ہوا بولا۔

”انھوں نے آپ کے موبائل میں سے ایس ایم ایس پڑھ لیے تھے، جس میں آپ نے حنا کو الگ گھر لینے کے لیے رضامندی دے دی تھی، ان سے یہ برداشت نہ ہو سکا، آپ جانتے ہو وہ کتنی بہادر تھیں، سب کچھ تو کھو دیا تھا، ان کی سب جمع پونجی آپ تھے، آپ ان سے الگ ہو رہے ہیں، وہ برداشت نہ کر سکیں، اور انھیں ہارٹ اٹیک ہوا، آخری وقت میں انھوں نے مجھے یہی سب بتایا تھا“۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، وہ ایک سال سے زائد عرصہ ان کے ساتھ رہی تھی، ان سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا، عمر کو یاد آیا اس روز وہ موبائل فون گھر پر جلدی میں بھول گیا تھا۔

”لیکن..... ام..... اماں! ایس ایم ایس تو نہیں پڑھ سکتی تھیں، انھوں نے کیسے پڑھ لیے..... یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ وہ بری طرح سے بوکھلا گیا۔

”وہ بہت کچھ سیکھ گئی تھیں، انھیں جوڑ توڑ کر ایس ایم ایس پڑھنا آ گئے تھے، شادی کے بعد آپ نے مجھ سے ان کی پڑھائی کی خبر ہی کب لی تھی، انھوں نے اردو میں خط لکھنا بھی سیکھ لیا تھا“۔ عمر کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس سے اتنی بڑی غلطی ہو گئی تھی، وہ اس سب کا خود کو ذمے دار ٹھہرا رہا تھا، اس کا سکون تو پہلے برباد ہو چکا تھا، مگر اب اس کی روح کا قرار بھی لٹ چکا تھا، اور جب روح کا ہی چین و قرار لٹ جاتا ہے تو انسان کہیں کا نہیں رہتا۔

☆ ☆ ☆

حیا بخاری

افسانہ

زندگی

ندا کی بیماری نے ساحل کو نڈھال کر دیا تھا، سارا دن گھر سے اسپتال، اسپتال سے آفس، آفس سے پھر اسپتال اور پھر اسپتال سے گھر کے چکر لگاتے لگاتے جو اس کا حال ہوتا وہ الگ، مگر بجٹ سے بڑھ کر اخراجات نے بھی اس کی کمر توڑ دی تھی۔

ندا ایک سلیقہ شعار اور شوہر کی ہاں میں ہاں ملانے والی بیوی جو اس کے مشکل وقت میں ہمیشہ اس کی ڈھارس بنی تھی، آج مختلف مشینوں میں جکڑا اس کا وجود اس کی روح تک کو زخمی کر دیتا، سارا دن گھر کے کاموں میں مشغول، سلائی کڑھائی اور محلے کے بچوں کو ٹیوشن اور قرآن پاک پڑھا کر وہ گھر کے کئی اخراجات خود ہی پورے کر لیتی اور ساحل کی اچھی خاصی رقم بچا لیتی، تب ہی شادی کے ان چودہ پندرہ برسوں میں کبھی انھیں مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، بچوں کی فیسیں، ان کے دیگر تعلیمی اخراجات، رشتے داروں کا آنا جانا سب ندا کی ذمے داری تھی، جو وہ بہ احسن پوری کر رہی تھی، اس نے نہ کبھی ساحل کو نگ کیا تھا نہ کبھی اماں کو پریشان۔ پھر نجانے کیسے اس کے خوبصورت، صحت مند وجود کو کسی کی نظر لگ گئی، یک رات اچانک ہونے والی دل میں تکلیف نے سے ایسی نیند سلا دیا کہ پھر آج تک دوبارہ جاگ نہ کی تھی وہ۔ ڈاکٹرز نے کہا کہ وہ کومہ میں چلی گئی ہے۔

"ان کے ذہن کو مناسب آرام نہیں ملا، یہی وجہ ے کہ تھک کر دماغ اور دل دونوں کے کام میں خلل یدا ہونے لگا، ہم پرامید ہیں، مگر یہ سچ ہے کہ دعا کی ی اشد ضرورت ہے"۔ ڈاکٹر نے جو وجہ بتائی، ساحل ں کا چشم دید گواہ تھا، واقعی گھر خوش اسلوبی سے لاتے چلاتے وہ اپنے آپ کو تو بھول بیٹھی تھی، اور وہ حل آفندی بھی تو اتنی لائق فائق بیوی پانے پر ہی ں خوش ہو گیا، اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ جو سب ے آرام کے لیے اپنا آرام قربان کر دیتی ہے، اس ے آرام کا خیال رکھنا اس کی بھی تو ذمے داری ہے۔

"ساحل بیٹا! ندا کمزور ہوتی جا رہی ہے، سارا سارا دن کام کرتی ہے اور رات کو بھی دیر سے سوتی ہے، صبح سے پہلے اٹھ جاتی ہے، اس کا خیال رکھا کرو"۔ اماں نے اسے کئی بار تاکید کی۔

"ارے نہیں امی! وہم ہے آپ کا، کمزور ہوتی تو اتنا کام کرتی بھلا؟ وہ تو تھکتی تک نہیں، ورنہ میں تو آفس سے آ کر ہی ڈھے جاتا ہوں، دوبارہ اٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی"۔ وہ کئی بار ٹالتا۔

"یہ عورت کی اپنے شوہر، بچے اور گھر سے محبت کی طاقت ہے جو اسے تھکنے نہیں دیتی، مگر یہ بھی حقیقت ہے بیٹا! کہ اسے بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے، اور پھر تمہارا فرض بھی بنتا ہے کہ اس کا ہاتھ بٹا دیا کرو گھر کے کاموں میں"۔ اماں نے محبت سے سمجھایا۔

"گھر کے کاموں میں؟" وہ سخت حیران ہوا۔

"ہاں بیٹا! ندا بھی تو تمہاری ذمے داریوں میں تمہارا ہاتھ بٹاتی ہے، تو اگر تم گھر کے ایک دو کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاؤ گے تو یہ چیز اسے تحفظ اور خوشی کا احساس دلائے گی، جو اسے مزید توانا اور چاق و چوبند رکھے گی"۔ اماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کاش، کاش! میں نے اماں کی بات توجہ سے سنی ہوتی اس وقت، کاش! میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاتا، تمہارے آرام کا خیال رکھتا، تو آج مجھے اتنی مشکل نہ ہوتی"۔ اس نے سامنے بستر پر لیٹے وجود کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ندی، پلیز اٹھ جاؤ، دیکھو یار! تمہارا ساحل پریشان ہے، مجھ سے کچھ نہیں ہوتا یار! کچھ بھی صحیح کرنا مجھے نہیں آتا، جانتی ہو ندی، ان تینوں مہینوں میں، میں نے تنخواہ کے علاوہ کئی بچت سرٹیفکیٹس بھی نکلوا لیے، میں تمہارے بنا گھر نہیں چلا سکتا، مجھے اور بچوں کو، اماں کو گھر کو تمہاری ضرورت ہے ندی"۔ وہ اس کے ہاتھ پر سر رکھے رو دیا، رات دھیرے دھیرے سرکنے لگی۔

ادھر اماں بچوں کو سلا کر ایک بار پھر جائے نماز پر

آ بیٹھیں، اپنی عزیز بہو کی لمبی زندگی کی دعا مانگنے۔

☆............☆............☆

''دادو! امی کب ٹھیک ہوں گی؟'' دس سالہ شاہ زیب نے کوئی چوتھی بار اپنا سوال دہرایا، تو اماں نے نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''بہت جلد.... انشاءاللہ!'' انھوں نے یقین سے کہا۔

''دادو! اگر امی ٹھیک نہ ہوئیں تو کیا ہم بھی.....!'' یہ بارہ سالہ انعم تھی۔

''نہ بیٹا! مایوسی کی باتیں نہیں کرتے، مایوسی کفر ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا ناں کہ ہمیں اپنے پاک پروردگار پر یقین ہی نہیں رہا، نعوذ باللہ''۔ اماں نے اسے بھی محبت سے سمجھایا۔

''پھر ہم کریں تو کیا کریں دادو! اگر اسکول والوں نے ہمارا نام کاٹ دیا تو؟'' انعم پریشانی سے بولی۔

''میں پوچھتی ہوں ساحل سے، وہ ضرور پھر بھول گیا ہوگا''۔

''دادو! مجھے بھوک لگی ہے''۔ آٹھ سالہ شاہ زین نے دہائی دی، تو انعم اسے ساتھ لگائے کچن کی طرف چل دی، تب ہی ڈور بیل بجی، اماں نے اٹھ کر خود دروازہ کھولا، ساحل تھا، وہ آتے ہی صوفے پر ڈھے سا گیا۔

''آج جلدی آ گئے بیٹا!'' اماں پوچھتے ہوئے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

''ہاں اماں! آج اسپتال میں ہی رہا، آفس نہیں گیا، کچھ ضروری ٹیسٹ ہونا تھے ندا کے''۔ ساحل تھکے تھکے انداز میں بتانے لگا۔

''ڈاکٹرز نے کیا کہا؟''

''وہی روزانہ والی باتیں، بس اماں! آپ دعا کرو ندا ٹھیک ہوجائے، مجھے تو لگتا ہے، ڈاکٹر بس تسلیاں ہی دیتے رہیں گے''۔ وہ پریشان لہجے میں بولا۔

''اللہ خیر کرے گا''۔ اماں نے اٹھ کر اسے پانی کردیا، اچانک ہی اس کی نظر کچن میں کھڑی انعم پر پڑی تھی۔

''انعم! اسکول نہیں گئیں آج؟'' وہ فوراً پو بیٹھا۔

''ہاں وہ اسکول والوں نے منع کردیا کہ پچھلے سے ان کی فیس نہیں گئی''۔ اماں نے مجبوراً اسے بتایا۔

''اوہ.... میں تو فیس دینا بھول ہی گیا تھا''۔ شرمندہ ہوا۔

''آپ پیسے دے دیں، اگر آپ کے پاس تو، میں کل دے آؤں گا ورنہ....!'' اماں نے ایک اداس نگاہ اپنے بیٹے کے پریشان چہرے پر ڈالی۔

''تم فکر نہ کرو، میں کل خود دے آؤں گی، تم ندا اور آفس کا دھیان کرو''۔ ساحل کے چہرے اطمینان بکھر گیا۔

''یہ ٹھیک ہے، اچھا میں ذرا نہالوں، کچھ طبیعت فریش ہوجائے، آپ انعم سے ایک کپ چائے کا دیں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں بنادیتی ہوں، تم جاؤ فریش ہوکر آؤ'' اماں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆............☆............☆

اسے لگا جیسے قیامت برپا ہوگئی تھی، کان پردے جیسے پھٹنے کے قریب تھے، کچھ لمحوں تک تو بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''لیکن.... لیکن کیوں سر؟'' وہ بمشکل بول پایا ان کی برانچ کے MD اس کے سامنے بیٹھے تھے، کے چہرے پر بکھری سرخی ان کے شدید غصے کا پتہ د رہی تھی۔

''یہ بھی آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں مسٹر ساحل پچھلے تین ماہ سے آپ ہفتے میں دو، دو چھٹیاں آئے ہیں، اور کئی بار آفس کے ورکنگ آورز میں بھی آپ درمیان سے اٹھ کر گئے ہیں، تو ایسے میں آپ کو ڈسکس نہ کروں تو کیا اپنی سیٹ پر بٹھادوں؟ ہر کام کے اصول وضوابط ہوتے ہیں مسٹر ساحل! اور آپ کے رویے سے تو لگتا ہے جیسے آپ یہاں ایک ورکر نہیں بلکہ اونر ہیں اس فرم کے، میں مانتا ہوں آپ ہمارے سینئر اور قابل ورکرز میں سے ایک ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھائیں''۔ وہ بے حد برہم ہوئے۔

''میں اس فرم میں سترہ سالوں سے کام کررہا ہوں سر! اس فرم کی ہر مشکل میں ہم ورکرز نے اس کا ساتھ دیا ہے، چھ چھ ماہ تک ہماری تنخواہ بند ہوتی جب لاس چلتا مگر ہم نے کبھی صرف پیسے کی خاطر اسے چھوڑا نہیں، مشکل وقت گزارا اور اس کی ترقی کے لیے کام کرتے رہے''۔ وہ بددلی سے بولا۔

''وہ ٹھیک ہے، مگر فرم نے آپ کا وہ ایک ایک روپیہ ادا کردیا تھا''۔ انھوں نے حساب برابر کیا۔

''میں روپے پیسے کی بات نہیں کررہا سردار صاحب! میں صرف اصول کی بات کررہا ہوں، جب اس فرم پر مشکل پڑی تو ہم ورکرز اس کے ساتھ رہے، مگر آج جب غریب ورکر پر مشکل وقت آیا ہے تو آپ کو اصول یاد آ گئے ہیں، میری بیوی تین ماہ سے اسپتال میں ہے، میرے بچوں کی فیس جمع نہیں ہوسکی، میں سارا دن گھر، اسپتال اور آفس آتے جاتے تھکن سے چُور ہوجاتا ہوں، اس سب کا بھی احساس ہے آپ کو؟'' وہ ہانپنے لگا تھا۔

''سوری.... مگر میں....!'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتے ساحل تیزی سے باہر چلا گیا تھا۔

''اب کیا ہوگا، ندا، بچے اور اماں..... ان سب کو میں کیا بتاؤں گا، سارے خرچ، اخراجات اب کیسے پورے ہوں گے، جب نوکری ہوتے ہوئے وہ بمشکل پورے ہورہے تھے''۔ سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹنے لگا۔

''ہاں ایک حل ہے، میں نہ رہا تو کوئی غم نہ رہے گا، کوئی فکر، کوئی پریشانی نہ رہے گی''۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی، اب اس کے قدم نزدیکی کیمسٹ شاپ کی طرف اٹھنے لگے تھے۔

☆............☆............☆

اماں نے اپنے دو خوبصورت جڑاؤ کنگن بیچ تو نہ صرف بچوں کی فیس ادا کردی، بلکہ گھر کے لیے کافی سامان بھی لے آئیں، اس کے باوجود اچھی خاصی رقم بچ گئی تھی، وہ ابھی گھر پہنچی تھیں، اور مکمل طور پر آرام بھی نہیں کرپائی تھیں، کہ کسی نے بہت زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا۔

''یا اللہ خیر!'' دل پر ہاتھ رکھے وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھیں، ساتھ والے فلیٹ کے احمد صاحب تھے، ان کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

''اماں! جلدی چلیں میرے ساتھ''۔ وہ فوراً بولے۔

''ارے کیا ہوا احمد بیٹا! خیریت تو ہے؟'' وہ فوراً دل سنبھالتے ہوئے بولیں۔

''آپ چلیں تو اماں! پھر بتاتا ہوں''۔ وہ تیزی سے اپنا بٹوہ سنبھالتی وہیں سے دروازہ لاک کرکے ان کے ساتھ چل دیں، احمد نے بیوی کو بھی ہدایت کردی کہ ساحل کے بچوں کو اپنے گھر ہی رکھے اماں کے آنے تک اس نے بےفکر رہنے کو کہا۔

''ندا تو خیریت سے ہے؟'' اسپتال کے کوریڈور میں قدم رکھتے ہی ان کا دل ہول اٹھا۔

''ہاں ہاں، اماں! آپ آؤ تو''۔ وہ اماں کو ساتھ لیے آگے بڑھا، تب ہی ندا کے ڈاکٹر، ارتضٰی ان سے ٹکرا گئے، وہ اماں سے بخوبی واقف تھے۔

''اماں جی! آپ.... میں تو صبح سے آپ کے بیٹے کا نمبر ٹرائی کررہا ہوں، مگر بند جارہا ہے''۔ انھیں دیکھتے ہی وہ بولے۔

"کیا ہوا بیٹا! اب بتا بھی دو"۔ اماں ہانپنے لگیں تو وہ انھیں ساتھ لیے کرسیوں کی طرف آ گئے اور انھیں سہارا دے کر بٹھا دیا۔

"خوشی کی خبر ہے اماں! آپ کی بہو کو ہوش آ گیا ہے، فی الحال سو رہی ہیں، آپ لوگ شام کو مل سکتے ہیں"۔ اماں دل ہی دل میں سجدہ شکر بجالائیں۔

"اللہ تجھے لمبی زندگی دے بیٹا!" انھوں نے دعا دی۔

"تا یہ بات تُو مجھے گھر پر نہیں بتا سکتا تھا، جو اتنا پریشان کیا؟" ارتضٰی کے جانے کے بعد اماں فوراً احمد پر غصہ ہوئیں۔

"اماں! وہ بات یہ نہیں تھی"۔ وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔

"تو اور کیا بات تھی احمد؟" اماں عاجز آتے ہوئے بولیں۔ احمد نے ایک اداس سی نظر ان پر ڈالی اور دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

"ساحل نے خودکشی کی کوشش کی ہے، اس کا آپریشن شروع ہے ابھی اماں!" اماں دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھیں۔

☆……☆……☆

ساحل کی جان بچا لی گئی تھی، اسے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا، اماں مسلسل پڑھتے ہوئے اس پر دم کیے جا رہی تھیں، جب اس کی آنکھ کھلی تو اماں کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے تھا، اس نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

"نظریں مت جھکاؤ ساحل بیٹا! میں نے تمہیں کبھی زندگی سے نظریں چرانا تو نہیں سکھایا تھا، تمہارے باپ کے بعد میں نے تمہیں کتنی مشکل سے بڑا کیا، تم سب جانتے ہو، پھر ندا نے ہر مشکل میں کس طرح ڈٹ کر تمہارے ساتھ مل کر اسے ہرایا، یہ بھی تم پر عیاں ہے، پھر ایسی بزدلی کیوں ساحل؟" اماں نے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں، اسے سکون آنے لگا۔

"میں تھک گیا تھا اماں! پتہ ہے میری جاب خ ہو گئی، زندگی گزارنے کا، رزق کا وسیلہ ختم ہو گیا اماں!"

وہ بے آواز رونے لگا۔

"اور صرف اتنی سی وجہ کے لیے تم زندگی جیسی نعمت ہارنے کے لیے تیار ہو گئے، یاد رکھو ساحل بیٹا! اللہ ایک در بند کرتا ہے تو سو در کھول دیتا ہے، لیکن پ ہے ساحل بیٹا! صرف زندگی ہی ایسی نعمت ہے کہ ا ایک دفعہ انسان کھو بیٹھے تو دوبارہ نہیں ملتی، تمہیں ی کرتے ہوئے نہ ہماری سوچ آئی، نہ اس خدا خوف، جس نے اس فعل کو حرام قرار دیا، اس کا شکرا کرو بیٹا، کہ اس نے تمہیں ایک موقع دیا، یہ ہر کسی ک نہیں ملا کرتا، اور جو گناہ تم سے سرزد ہوا ہے، اس کے لیے اپنے رب سے معافی اور سچے دل سے توبہ کرو، میرا پروردگار پاک ہے اور معاف کرنے والا ہے"۔

اماں نے اسے محبت سے سمجھایا اور اس کے آنسو اپ دوپٹے سے صاف کیے۔ تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور احمد کے ساتھ ساحل کے آفس کے ایم ڈی سردار صاحب بھی اندر چلے آئے۔

"آئی ایم سوری ساحل! میں تم سے اتنا سخت رویہ نہ اپناتا اور تمہاری مشکلات سمجھتا تو شاید آج.... لیکن خیر میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا تھا کہ تم جب چاہو اپنی سیٹ پر واپس آ سکتے ہو، وہ سیٹ صرف تمہاری ہے"۔ ساحل کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"دیکھا بیٹا! اللہ کتنا مسبب الاسباب ہے اور ہاں اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ کیونکہ ندا کو ہوش آ گ ہے، اور وہ تمہاری منتظر ہے"۔ اماں کی بات سنتے ہی ساحل نے اطمینان سے آنکھیں موند لی تھیں، اور دل ہی دل میں اللہ سے بیک وقت توبہ اور شکر کرنے ل تھا، کہ اس نے اسے "زندگی" جیسی نعمت دوبارہ بخش دی تھی۔

☆……☆……☆

Italiano®
Permanent Hair Colour Cream
Free Developer Inside
01 Natural Black
02 Dark Brown
03 Medium Brown
04 Light Brown
Nourishment for Hair With
Silk Protein, Vitamin E & Hair Conditioner

رفعت نے کھلا واضح طنز حباب پر ہی کیا۔

”پلیز مما! آپ حباب کو کچھ نہیں کہیے وہ بہت اچھی ہے اور کون سا اس شادی سے خوش ہے“۔ حسنیٰ اس ساری باتیں سن کے جو آئی تھی، مگر شہریار کی باتیں بھی اس کے دل پر لگ گئی تھیں، خاندان والوں کو جانتی تھی جر میں حسین بیگم ہی سب میں ڈھنڈورا پیٹتی تھیں اس کی شادی نہ ہونے پر وہ بھی امی سے باتیں بناتیں۔

”میں تو ایک بات کہہ رہی ہوں“۔ وہ خفیف سی ہو گئیں۔

”اچھا چلو اٹھو، کچھ کھا پی لو“۔ انھوں نے اس کے سلکی دراز بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”کیا بات ہے سعدیہ وغیرہ یوں اچانک سے کیسے جانے لگیں؟“

”امی کی باتیں ہی ایسی ہیں، وہ بے زار ہو گئی ہیں“۔ اس نے بتایا۔

”فراج کے ساتھ گھومنے بھی بہت جانے لگی تھی، بھابی نے خود کئی دفعہ دونوں کی خبر لی ہے“۔

”مما! سعدیہ کو فراج بھائی زبردستی لے کے جاتے ہیں، پتہ نہیں یہ ایسے کیوں ہیں“۔ حسنیٰ اپنے بھائی فلرٹی طبیعت سے بہت نالاں تھی، ہر لڑکی کے پیچھے لگ جاتا تھا خاندان کی کسی لڑکی کو نہیں چھوڑا تھا۔

”اگر ایسی کوئی بات ہے تو بھائی کو چاہیے فراج کی اور سعدیہ کی شادی ہی کروا دیں“۔

”ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ امی کو سعدیہ پھوہڑ لگتی ہے، پتہ نہیں کہاں سے مجھ سے اچھا کام تو وہی کرتی سارے کام آتے ہیں، مجھے کیا آتا ہے زبردستی امی کروا لیتی ہیں تو کر لیتی ہوں“۔ وہ سعدیہ پر رشک بھی کرتی وہ کسی بھی کام سے دل نہیں چراتی تھی، نسرین کتنے اس سے ڈانٹ ڈپٹ کے کام لیتی تھیں، جبکہ عائزہ نہایت پھٹ اور کچھ بدتمیز بھی تھی، نسرین اس کے منہ ہی نہیں لگتی تھیں۔

”تم ان کے معاملات میں بالکل نہیں پڑنا اور الٹا سیدھا سوچو بھی نہیں، تمہاری شادی جہاں ہو گی ہو جا گی“۔ رفعت تو چاہتی ہی نہیں تھیں، اس کی شادی ایسی جگہ ہو وہ ایسا رشتہ تلاش کر رہی تھیں جو گھر داماد بن جائے

☆…………☆…………☆

ضمران کی دادی نے تو خوب ہی فساد اٹھایا تھا اور عتیق بھی رضوانہ پر برسنے آ گئے تھے، آدم کو تو غصہ آئے رہا تھا، ضمران نے اسے قابو کیا ہوا تھا۔

”تجھے خاندان کی لڑکی سے کرتے ہوئے کیا ہو رہا تھا؟“ عتیق کا لب و لہجہ نہایت بدصورت تھا، شکل پر زعم تھا مگر فطرت اور لہجہ بالکل اچھا نہیں تھا۔

”بچوں کی خوشی بھی دیکھی جاتی ہے“۔ رضوانہ نے آواز کو مضبوط بنا کے کہا۔

”بچوں کی خوشی نہیں تمہیں اپنی خوشی چاہیے تھی، بچوں کے دماغوں میں تو فتور تُو نے ہی بھرا ہے“۔ عتیق رہے تھے۔

”خدارا! آواز کو نیچا کر کے بولیے، جوان اولاد گھر میں موجود ہے“۔ رضوانہ کی آواز کانپ رہی تھی، شر سے وہ عتیق کی جھڑکیاں ہی تو کھاتی آ رہی تھیں۔

”امی کو کتنا دکھ ہوا ہے اور راشدہ کتنا آس لگائے ہوئے تھی“۔

”اس وقت آپ کی اماں بہن کہاں گئی تھیں جب ہم بھوکے بیٹھے ان کی آس لگائے بیٹھے تھے“۔ آدم برداشت نہیں ہوا تو اندر سے نکل آیا۔

”ابو! خواہ مخواہ آپ فساد نہیں پھیلائیے“۔

”ہاں بیٹا! یہی کمی رہ گئی، باپ پر چڑھ جاؤ“۔ عتیق نے آنکھیں نکال کے اسے دیکھا۔

”میں آپ پر چڑھ نہیں رہا، آپ انصاف کی بات تو کریں، ہمیشہ اپنے بارے میں سوچا“۔ آدم دکھ و افسردگی سے بولا۔

”میں نے کہہ دیا ہے میں اس شادی میں بالکل نہیں بیٹھوں گا“۔ وہ تیز لہجے میں چیخے۔ رضوانہ نے آدم کو آنکھوں کے اشارے سے اندر جانے کو کہا، وہ گھر میں شور شرابا بالکل نہیں چاہتی تھیں۔

”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی“۔

”کیا.... یعنی میرے شرکت نہ کرنے پر تمہیں کچھ نہیں ہو گا“۔ وہ حیرانگی سے بولے۔

”ظاہر ہے جب آپ کو نہیں پسند تو نہیں کیجیے گا شرکت“۔

”اونہہ.... تم ماں بیٹوں کو زیادہ ہی اکڑ آ گئی ہے“۔ وہ ایک دم ہی کچھ ڈھیلے سے پڑ گئے۔

”ابو! اگر آپ آئیں گے تو ہمیں بہت خوشی ہو گی، آپ ہم لوگوں کے متعلق منفی سوچنا چھوڑ دیں، آپ ادھر ہی آ کر رہیے، ہمیں بھی اچھا نہیں لگتا آپ کے جوان بیٹے موجود ہیں اور آپ بہن کے گھر رہ رہے ہیں“۔ ضمران نے آہستگی سے نرم آواز میں کہا۔

”ہاں یہاں آ کر رہنے لگوں تا کہ تم سب لوگ مجھے طعنے مارتے رہو کہ میں نے تمہارے لیے کبھی کچھ نہیں کیا“۔ عتیق کو یہ بھی ان کی بہن راشدہ نے کہا تھا، جب عتیق نے گھر جانے کا کہا۔

”ایسا کچھ نہیں، آپ خود سے بات اخذ کر رہے ہیں“۔

”رہنے دو تمہاری ماں مجھ سے بدلے ہی لے گی، کیونکہ اسے ساری زندگی مجھ سے شکایت ہی رہی ہے، یری اس گھر میں کوئی عزت بھی نہیں ہو گی“۔ رضوانہ نے تاسف سے لب بھینچے، عتیق کو ان کی ماں اور بہن ہی ڑھاتی رہتی تھیں، وہ مزید ان کے آگے کیا کہتیں۔

”ابو! اچھا نہیں لگتا ہے آپ پھپھو کے گھر رہتے ہیں“۔

”وہاں رہتا ہوں تو سکون سے رہتا ہوں“۔ وہ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

”میں اس شادی میں بالکل نہیں بیٹھوں گا، دیکھتا ہوں کیسے ہوتی ہے شادی“۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولتے ہوئے چلے گئے تھے، ضمران اور رضوانہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

☆…………☆…………☆

وہ تیار ہو کر گنگناتا ہوا نیچے آیا، بلیک پینٹ اور اسکائی بلیو شرٹ میں نفاست سے سنورے بال، خاصا یسنٹ لگ رہا تھا، نزہت کی تو کوشش تھی ان کی چھوٹی بہن سے ہو جائے اور وہ بھی تو آس لگائے ہوئے تھیں۔

”آج بڑی جلدی اٹھ گئے“۔ مرتضیٰ علی نے اس کی تیاری دیکھی، بہت دن بعد وہ اپنے اسٹائل میں واپس یا تھا۔

”آج سے آفس جا رہا ہوں، کچھ انٹرویوز ہیں، نیو اسٹاف اپائنٹ کر رہا ہوں“۔ نزہت نے ناشتہ ریڈی رکے آگے کیا، وہ اسے مسکہ پالش کرتی رہتی تھیں، جبکہ ہیثم کا مزاج ایسا نہیں تھا، وہ ہر ایک کی نیچر کو خوب سمجھتا کہ کون کیا چاہتا ہے۔

”کیوں پرانے کو نکال دیا؟“ مرتضیٰ علی نے استفہامیہ انداز میں تنقیدی پوچھا۔

”ان کی کارکردگی کچھ ٹھیک نہیں تھی، کچھ میں نے ان کی ایسی باتیں پکڑی ہیں جو کمپنی کو نقصان پہنچا رہی

تھیں“۔ اس نے تفصیلی بتایا۔

”تم نے خوشی کو بھی لانے کا سوچا؟“

”آپ صبح صبح میرا موڈ خراب نہیں کیا کریں“۔ وہ منہ بگاڑ کے ناگواری سے بولا، نزہت اس وقت سر سامنے خاموش تھیں، اتنے میں مرتضٰی علی بھی آ گئے، فاران اور میران بھی آ گئے، عفان، ماہ رخ اور وشمہ صبح اسکول کالج کے لیے نکل جاتے تھے۔

”اوہو..... آج تو آپ نظر آ رہے ہیں“۔ فاران نے اسے یوں بہت دن بعد ناشتے کی ٹیبل پر دیکھا۔

”روز ہی نظر آؤں گا“۔ وہ جھینپ کے مسکرایا۔

”اور سناؤ تمہارا آفس بند ہے یا کھل گیا؟“

”وہیں جا رہا ہوں، ٹائم ملے تو آ جانا“۔ فاران کو وہ آفر کر کے چلا گیا، فاران اس سے تین سال چھوٹا تھا، مرتضٰی علی کی لاڈلی اکلوتی بیٹی زیبا کا بیٹا تھا، کتنے چاؤ سے انھوں نے اس کی شادی کی تھی، زیبا کو وہاں سسرال میں بہت پیار ملا تھا، مگر یہ بہاران کی چار سال کی تھی، ہیشم کی پیدائش پر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں، شوہر چند سال بعد کسی بیماری میں مبتلا ہو کر چل بسے تھے، سسرال میں ان کے جیٹھ کے علاوہ کوئی نہیں تھا، وہ بھی امر میں سیٹل تھے، ساس سسر آگے پیچھے جلدی گزر گئے تھے، اس طرح چھ سال کا ہیشم، مرتضٰی علی کے پاس آ گیا، ہیشم کے والد وقاص کی خاصی جائیداد تھی، ہیشم نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد بزنس شروع کیا تھا، اور وہ اسی پر ہی تو دے رہا تھا کہ مرتضٰی علی نے اپنے ایمپلائی کی بیٹی سے اس کی شادی کروا دی تھی۔

”ہوں..... دیکھ لو، ٹائم ملے تو آ جانا“۔ چائے کا آخری سپ لیا اور اٹھ گیا۔

”ہیشم بھائی! مجھے یونیورسٹی تک چھوڑ دیجیے گا“۔ میران کھڑا ہو گیا۔

”آ جاؤ!“ وہ تیزی سے نکل گیا۔

”ابا جی! ہیشم کو بولیں خوشی کو لے آئے“۔ ارتضٰی علی گویا ہوئے۔

”نہیں لا رہا تو زبردستی تو نہیں ہے“۔ نزہت تڑخ کے بولیں۔

”تم چپ رہو، میں بات ابا جی سے کر رہا ہوں“۔ انھوں نے اپنی بیوی کو ڈانٹ دیا وہ کلس کے ہی رہ گئیں مرتضٰی علی نے خاصی ناگواری سے انھیں گھورا اور چیئر کھسکا کے اٹھ گئے۔

☆............☆............☆

حباب کی شادی کی تیاریاں شہریار کروا رہا تھا، مستقل اسے اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا، بینا سے بھی شہریار نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔

”بینا باجی! کبھی تو سادگی بھی اپنا لیا کریں، ساس بننے جا رہی ہیں“۔ شہریار نے انھیں ٹوکا جو بلیک کنٹراسٹ سوٹ میں میک اپ سے مزین تھیں، وہ سب گھر والے ضمران کا منہ میٹھا کروانے جا رہے کیونکہ شہریار کے آنے پر یہ رسم رکھی تھی، شادی تو تین ماہ میں ہو ہی جانی تھی۔

”تم ہر وقت مجھے ہی کیوں دیکھتے رہتے ہو؟“ وہ چڑ کے گویا ہوئیں۔

”اگر اتنا کچھ کرنا چھوڑ دیں گی تو دیکھنا بھی چھوڑ دوں گا، کیا ہو گیا ہے آپ میری بڑی بہن ہیں، لوگ سیدھی باتیں بناتے ہیں“۔ وہ انھیں سمجھانے لگا۔

”یہ دنیا تو ہے ہی ایسی، ہنسنے کے لیے آ جاتی ہے، کبھی غم میں آتی ہے؟“ انھیں اپنا دکھڑا یاد آیا، جب محسن

ان کی طلاق ہوئی تھی، جب بھی لوگوں نے بہت باتیں بنائی تھیں۔

”ارے شہریار! کب تک چلنا ہے، دیر دیکھو کتنی ہو گئی ہے“۔ حسین بیگم بھی اپنا موٹا سا سونے کا ہار پہن کے تیار ہو گئی تھیں، شہریار تو اچھل ہی پڑا۔

”اماں! کیا ہو گیا ہے، یہ سونے کا ہار پہننے کی کیا ضرورت ہے، ڈاکے کم پڑ رہے ہیں؟“

”چل ہٹ..... اب ہمارے پاس سونا ہے تو پہنیں بھی نہیں؟“ انھوں نے اپنا سیفون جارجٹ کا کاسنی دوپٹہ سر پر جمایا، آنکھوں میں ان کے موٹا موٹا کاجل ہمیشہ ہی موجود ہوتا تھا۔

”پتہ نہیں اماں! آپ کیوں اب تک نہیں بدلیں“۔ وہ کھسیاہی گیا۔

”چل زیادہ بک بک نہیں کر“۔ انھوں نے کہا۔

”ساری پابندیاں اپنی بیوی پر لگانا“۔ بینا کو بھی موقع مل گیا اسے سنانے کا۔

”بیوی کو ایسا ٹائٹ رکھوں گا، میری آنکھ کے اشارے پر چلے گی“۔

”بس، بس رہنے دو، سارے مرد جب شادی نہیں ہوتی ہے، ایسے ہی کہتے ہیں، تم بھی اپنی بیوی کے آگے پیچھے پھرو گے“۔

”ہر کوئی محسن جیسا نہیں ہوتا“۔ انھوں نے تاک کے طنز کیا۔

”اماں! اسے دیکھ رہی ہیں، کیسے مجھ پر طنز کر رہا ہے“۔ وہ تو روہانسی ہو گئیں۔

”پتہ نہیں، آپ سب کب سدھریں گی“۔ وہ بڑبڑاتا ہوا نکل گیا۔ آٹھ بجے وہ لوگ رضوانہ کے گھر پہنچے، ان کے گھر جنریٹر تھا، اس لیے لائٹ کا مسئلہ نہیں ہوا۔ رضوانہ نے اور ان کے بیٹوں نے ان سب کا خاصا پرتپاک استقبال کیا تھا، ان کی سسرال سے کوئی نہیں تھا، ضمران کو شہریار نے گلے لگا کے مبارکباد دی تھی۔

”یار! تم میرے داماد بننے جا رہے ہو، اور ہاں آج سے میرا ادب کیا کرنا، کیونکہ سسر بھی تو لگتا ہوں رشتے میں“۔ شہریار نے تضحیک آمیز لہجے میں مسکرا کے اسے چھیڑا، وہ ہنسنے لگا تھا۔

”ایک بات پوچھوں، شادی کے بعد آپ دونوں کی دوستی ایسی ہی رہے گی یا سسر داماد والی ہو گی؟“ مزمل نے مسکرا کے پوچھا۔ سب ہی قہقہہ لگا کے رہ گئے، ضمران کے لیے کپڑے، پرفیوم اور دیگر تحائف لے کر وہ سب آئے تھے۔

”رضوانہ! آپ نے اپنی سسرال سے کسی کو نہیں بلایا؟“ حسین بیگم نے پوچھا۔

”وہ..... بس کیا بتاؤں“۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

”امی! آنٹی سے آپ کچھ بھی نہیں چھپایئے، سب واضح کر دیں“۔ آدم نے لب کشائی کی۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے ضمران نے نیٹ پر مجھے سب بتا دیا تھا، اور آنٹی! میں آپ سب کے رشتے داروں سے بھی واقف ہوں“۔ شہریار نے انھیں شرمندہ ہونے سے بچا لیا، بینا نے ضمران کو پیسوں کا لفافہ دیا، جو اس نے مودب انداز میں لیا، انھیں بہت عجیب بھی لگ رہا تھا، ایک دو بار وہ ضمران کی طرف بھی تو متوجہ ہوئی تھیں۔

”ضمران! تم بینا باجی کو امی کہنا، کیونکہ حباب کی امی تمہاری امی“۔

”شہریار! کبھی تو مجھے کہیں بخش دیا کرو“۔ وہ اسے گھورنے لگیں، نازیہ کی دبی دبی ہنسی نکلی، مگر فوراً ہی قابو بھی پا لیا، اگر بینا دیکھ لیتیں تو وہ تو خواہ مخواہ تنگ ہی جاتیں۔

”شہر یار ماموں! آپ نے یہ کیا کر دیا“۔ وہ تو پریشان ہو گئی۔

”زیادہ تمھیں پریشان ہونے کی اور اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بے کار لوگوں کو یاد بھی نہیں کیا کرو“۔ وہ تو بہت برہم ہو رہا تھا، جب بھی سوچتا اس کے تو آگ ہی لگ جاتی تھی۔

”آپ نے تو انھیں اور ناراض کر دیا“۔ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

”تمھیں اس کی ناراضی کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے اور ضمران کے بارے میں سوچو“۔ اس نے سیل اپنے پاکٹ میں رکھا۔

”آپ دونوں پتہ نہیں کیوں اتنا ایک دوسرے سے ناراض اور غصہ رہتے ہیں“۔

”حباب بیٹا! کیا بات ہے، تم اس بات کو اتنا سیریس کیوں لیتی ہو؟ وہ بے وقوف لڑکی اسے میں ایک منٹ میں ٹھیک کر سکتا ہوں، مگر میں لحاظ کرتا ہوں“۔ وہ حباب کو ریلیکس کرنے لگا، جبکہ حباب کا ذہن تو بہت کچھ سوچ رہا تھا جو شہر یار ابھی نہیں جانتا تھا۔

☆............☆............☆

وہ آ تو گئی تھی، مگر خود کو بہت اکڑ اور غصے میں رکھا ہوا تھا، وہ تو اشعر کے بہت زیادہ اصرار کرنے پر وہ تیار ہوئی، اسے کچھ نخرے بھی تو دکھانے تھے، اگر وہ فوراً تیار ہو جاتی تو ہیشم پر اپنی اہمیت کیسے جتاتی؟

”آپ کو آج صرف کام سمجھنا ہوگا“۔ وہ چہرے پر سنجیدگی اور رعب رکھ کر اس سے مخاطب تھا، خوشنما کو اس دن کی ملاقات بھولی تو نہیں تھی، کتنا غصے میں اسے زبردستی گاڑی میں بٹھا کر گھر کے راستے پر چھوڑا تھا۔

”مجھے خود سے کیسے سمجھنا ہوگا؟“ وہ چڑ گئی۔

”محترمہ! کچھ عقل نام کی چیز بھی ہوتی ہے“۔ وہ ناگواری اور بے زاری سے گویا ہوا۔

”کتنا سڑیل مزاج ہے یہ شخص“۔ وہ سوچنے لگی، وہ آگے آگے چل رہا تھا، اور وہ پیچھے پیچھے چل رہی تھی، منہ ہی منہ میں بڑبڑا بھی رہی تھی۔

”جو کچھ بھی بولنا ہو، زور سے بولا کریں، یہ بڑبڑایا نہیں کریں“۔ اس نے رک کر خوشنما کو تیز لہجے میں کہا، وہ سٹپٹا گئی، اگر بروقت خود کو کنٹرول نہیں کرتی ضرور اس سے ٹکرا جاتی۔

”جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے“۔ وہ خفیف سی ہو گئی۔

”یہ آپ کا کیبن ہے، ادھر بیٹھ کر آپ ساری فائلز چیک کر کے مجھ تک لائیے گا، جو بھی ٹیک کے سیمپل ہوں ان کی اپروول ضرور اوپر رکھنی ہے“۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے جتا رہا تھا۔

”مجھے یہاں کتنے دن کام کرنا ہوگا؟“ خوشنما کو اس کا اکھڑ اور روکھا انداز پتنگے لگا رہا تھا، پہلی رات کی طرح ہی اس کا لب ولہجہ اور رویہ لگ رہا تھا۔

”جب تک ہمارے ایمپلائی کا بندوبست نہیں ہو جاتا، جب تک آپ کو کام کرنا ہوگا“۔

”اگر مجھے یہاں کا ماحول اور کام پسند نہیں آیا تو میں چھوڑ دوں گی“۔ اس نے بھی اپنی اہمیت جتائی۔

”سوری آپ ایگریمنٹ لیٹر پر سائن کر چکی ہیں“۔

”میں نے تو نہیں کیا“۔ خوشنما اچھل گئی۔

”ابھی کچھ دیر پہلے جو لیٹر تھا وہ وہی تھا“۔ اس نے حواس باختہ چہرہ خوشنما کا دیکھا، جانے کیوں اسے یہ آواز اس آواز سے کیوں ملتی لگتی تھی۔

”آپ کو بتانا چاہیے تھا“۔ وہ برہم ہو گئی۔

”میں کیوں بتاتا، آپ تو پڑھی لکھی ہیں، پڑھنا تو آتا ہی ہے، پڑھا کیوں نہیں؟“ وہ اس کی بے وقوفی پر اسے اور چڑا رہا تھا۔ خوشنما لب کچل کے رہ گئی، یہ اس سے اتنی بڑی بے وقوفی کیوں ہو گئی، اس نے لیٹر کو پڑھا بھی نہیں، وہ سمجھی کہ اس کے آفس جوائن کرنے کا لیٹر ہے، اس لیے توجہ ہی نہیں دی۔

”اب افسوس کرنا اپنی بے وقوفی پر فضول ہے، کام پر دھیان دیں اور زبان چلانے پر کم“۔ وہ اس پر طنز کرتا ہوا چلا گیا۔

”کتنا دھوکے باز ہے، مجھے بتایا بھی نہیں“۔ وہ تلملاتی ہی رہی۔

ہیشم اپنے روم میں چلا گیا تھا، چند اسٹاف کے لوگ آ گئے تھے اور وہ بھنا رہی تھی، مگر اسے تو ہیشم کی عقل ٹھکانے لگانی تھی، چلو یہ موقع اسے خود یہاں مل گیا۔

”مسٹر ہیشم! میں تم سے ناک سے لکیریں نکلوالوں گی“۔ وہ گہری سوچ میں مستغرق دانت پیس رہی تھی، پورا دن اس کا ایک طرح سے خالی ہی گزرا، چند ایک فائلز کو وہ دیکھتی رہی، مگر ہیشم سے مدد نہیں لی۔

☆............☆............☆

نسرین نے اسے یہ کہہ دیا حباب کی شادی تک وہ وہیں رک جائے، وہ تو پھٹ پڑی تھی۔

”میں اس گھر میں قدم تک رکھنا اپنی توہین سمجھتی ہوں، وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے، کینیڈا سے ہو کر آ گیا ہے تو زیادہ ہی اتراہٹ آ گئی ہے“۔

”بڑے بول مت بول، کہیں وہیں بیاہ کر چلی گئی تو؟“ نسرین نے پھر وہی بات دہرائی۔

”میں آپ کو کہہ چکی ہوں، خودکشی کر لوں گی مگر شہر یار سے شادی کبھی نہیں کروں گی“۔ اس دن سے تو اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔

”آپ کیوں بار بار اس شخص کا نام لیتی ہیں؟“ وہ کھسیا گئی۔

”آپ کو وہی کیوں نظر آتا ہے میرے لیے لڑکوں کی کمی ہے؟“

”زیادہ اترا کے بولنے کی ضرورت نہیں ہے، لین لارڈ تجھے رفعت نے بنا کے رکھا ہے، دماغ اس لیے بھی زیادہ آسمان پر رہتا ہے“۔ وہ تو حسنیٰ کو جھاڑ کے رکھ دیتی تھیں۔

”ان کی بیٹی ہوں، ظاہر ہے وہ تو بنا کے رکھیں گی“۔

”اچھا، اچھا بکواس نہیں کر، کچن کو سمیٹو، مجھے بازار بھی جانا ہے“۔ انھوں نے ساتھ ہی اسے ہدایت بھی کی۔

”آپ آخر مجھ سے کچن کے کام ہی کیوں کرواتی ہیں؟“

”اس لیے کرواتی ہوں پرائے گھر جا کر ماں کو سننے کو نہ ملیں، اس نے کچھ نہیں سکھایا“۔

”امی! آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ممی خود میرا رشتہ میری مرضی کے مطابق ڈھونڈ لیں گی“۔ اس نے پٹخ پٹخ کے کاؤنٹر سے گندے برتن سمیٹ کے سنک میں رکھے۔

”ہاں بہت تیری رفیق ہے وہ تیری ممی، ساری زندگی بھی تیری شادی نہیں کرے گی، بس محبت ہی جتاتی رہے گی“۔ نسرین، رفعت کو بھی سناتی رہتی تھیں، حسنیٰ نے ناگواری سے منہ بنایا۔

”منہ سیدھا رکھ کے کام کرو، مشین لگا کے فراج اور فیضان کے کپڑے دھو دینا“۔ دوسرا کام بھی بتایا۔

”اتنا کچھ پہلے ہی یہاں پھیلا ہوا ہے اور آپ دیگچیوں میں پانی بھر کے کیوں رکھ دیتی ہیں؟“ وہ دیگچیاں

"یار بھائی جان! امی تو اچھی خاصی مفکر بن سکتی ہیں"۔ آدم نے شرارتی لہجے میں ضمران سے تائید چاہی۔

"ہر وقت ہنسی مذاق نہیں کیا کرو"۔ وہ جھینپ گئیں۔

"میں تم لوگوں کو سمجھا رہی تھی، وہ لوگ الگ ہوتے ہیں، جب کنجوسی انھیں کرنی ہوتی ہے تو فوراً اسلام پر چلنے لگتے ہیں، یہ فضول رسم ہے، یہ غلط ہے اور بعد میں پھر لڑکی کے ساتھ وہی روایتی سلوک شروع ہو جاتا ہے، اس وقت مذہب کہاں چلا جاتا ہے، جو لڑکی کو طعنے دیئے جاتے ہیں"۔ رضوانہ کو اپنی شادی کے بعد کی زندگی یاد آ گئی، یہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

"ارے کیا ہے آپ لوگ خوشی کی باتیں کریں"۔ طحہٰ نے تیز لہجے میں مداخلت کی۔

"یہ باتیں بھی ضروری تھیں، جو تم سب کو سمجھائی تھیں، چلو مزمل! یہ سامان میرے کمرے میں رکھو"۔ وہ ان تینوں کو ہی کام میں لگاتی ہوئی اٹھ گئی تھیں۔

☆............☆............☆

ہیشم کے آفس میں اسے کام کرتے ہوئے دس دن ہو گئے تھے، اس نے گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا، نارمل طریقے سے وہ جاب پر جا رہی تھی۔

"مرتضیٰ صاحب دو چکر لگا چکے ہیں، تم گھر پر ہی نہیں ملتی ہو"۔ امی نے اسے تیار ہوتے ہوئے دیکھا۔

"ان سے بولیے کیوں آتے ہیں؟ آرام سے گھر میں بیٹھیں اور ہمیں بھی بیٹھنے دیں"۔ اس نے بڑا سا پرنٹڈ سرمئی آنچل پھیلا کے اپنے سر پر کیا، وہ میک اپ وغیرہ بالکل کر کے نہیں جاتی تھی، اور اسے کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنا بھی نہیں تھا۔ پھر ہیشم جیسے بندے کا کوئی بھروسہ بھی نہیں، کچھ بھی الزام لگا دے، اور بول دے اس لیے وہ بہت محتاط اور ریزرو ہو کر وہاں کے لوگوں سے بات کرتی، اول تو کرتی ہی نہیں تھی، اگر کبھی کرتی بھی تو چہرے پر سنجیدگی اور رعب رکھ کرتا کہ وہ حد کراس نہیں کریں۔

"خوشنما! میں دیکھ رہی ہوں تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو"۔

"آپ وہی بات کیوں دوہراتی ہیں، نہیں بتایا کریں وہ یہاں آیا کریں تو، مجھے سخت کوفت ہوتی ہے، ان سے بولیں پہلے اپنے نواسے کو سدھار لیں، آخر اسے کس بات کا اتنا گھمنڈ ہے، میں ایسی بے وقعت اور فالتو نہیں ہوں کہ اپنی بے عزتیاں کرواتی پھروں، اور وہ نزہت بیگم..... ان کی نگاہیں آپ نے دیکھی تھیں؟" وہ ایک دم ہی غصے میں آ گئی۔

"آہستہ بولو، باہر تمہارے ابو بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں"۔ انھوں نے اسے چپ کروایا، خوشنما خفیف سی ہو کر لب بھینچ کے رہ گئی، صاف ستھرا قرینے سے سجا کمرہ اس کی نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا، وہ بے ترتیبی تو بالکل دیکھ ہی نہیں سکتی تھی، تو ہیشم جیسا بدتمیز، بد دماغ شخص وہ کیسے قبول کر لیتی، کم از کم یہ تو کر ہی سکتی ہے کہ اس سے دور رہے، مگر قسمت وہ اس کے پاس ہی جاب کر رہی تھی، صرف اس لیے کہ صحیح غلط کی پہچان کروائے گی اور تمیز اور سلیقہ بھی سکھا کے دم لے گی۔

"پلیز امی! آپ صبح صبح اپنا اور میرا موڈ خراب کر دیتی ہیں، مجھے جلدی ہے رات میں بات ہوگی"۔

"آپی! لنچ پیک کر دیا ہے"۔ رمنا اس کا لنچ باکس لے کے اندر آئی، صبح ناشتہ وہی بناتی تھی۔

"تین پراٹھے رکھے ہیں"۔ وہ باکس تھام کے بولی۔

"جی تین ہی رکھے ہیں اور آملیٹ بھی تین بنائے ہیں"۔

"کتنی اچھی میری بہنیں ہیں، یا اللہ میری ان بہنوں کو شوہر بہت اچھا دینا"۔ خوشنما نے ہاتھ اوپر کر کے دعائیہ انداز میں ہاتھ پھیلائے۔

"آپی! تم تو پتہ نہیں کیا ہو گئی ہو"۔ رمنا جھینپ گئی، کچھ دن سے وہ نوٹ کر رہی تھی، خوشنما کا لب و لہجہ تک اتنا شوخ ہوتا جا رہا تھا۔

"میں جو ہو گئی ہوں وہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں"۔ رمنا کے رخسار پر ہلکی سی تھپکی دی اور اپنا سامان اٹھا کے باہر آ گئی، ابو ناشتہ کر رہے تھے ان کے سامنے مودب ہی رہتی تھی۔

"بیٹا! کسی دن مرتضیٰ صاحب سے ہی مل لو، کتنی دفعہ آئے اور ملے بغیر چلے گئے، تم اس وقت تک آتی ہی نہیں ہو"۔ وہ لب بھینچ کے شرمندہ ہونے لگی، وہ انھیں یہ کیسے بتا دے، پیچھے سے ایمن اسے میسج کر دیتی تھی، وہ جان بوجھ کے دیر سے آتی تھی۔

"کوشش کروں گی"۔ وہ یہ کہہ کر نکل گئی، امی فکرمند نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆............☆............☆

حسنیٰ اکڑ کے بیٹھی ہوئی تھی، حباب نے کتنی ہی کالز کر لیں اور کتنے ہی میسجز کر لیے تھے، مگر اسے تو شہریار پر غصہ تھا، اس نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں، شادی کے دن تو تیزی سے قریب آ رہے تھے، حباب کی دھڑکنوں کی بے ترتیبی بڑھتی جا رہی تھی، اس لیے کہ آنے والا وقت پتہ نہیں وہاں کیا رنگ دکھائے، نئے لوگ، نئے گھر میں ایڈجسٹ ہونا تھا، اس کی کم گو اور ریزرو طبیعت کسی سے اتنی جلدی گھلتی ملتی بھی نہیں تھی، اور ضمران جو اس کا زندگی بھر کا جیون ساتھی بن رہا تھا، اس سے اسے کوئی انسیت نہیں ہوئی تھی، بلکہ اسے غصہ ہی آ رہا تھا جب بھی وہ اس سے ٹکرایا کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔

"تم پھر الٹی سیدھی سوچوں میں بیٹھی ہو"۔ شہریار نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"نہیں تو"۔ وہ جھینپ گئی۔

"شہریار ماموں! یہ تو خوشی ہو تب بھی اداس کوئل بنی ہوتی ہے اور اداسی ہو تو پھر بہانہ ہی چاہیے"۔ ارومہ اپنی ناشتے کی ٹرے لے کے بیڈ پر بیٹھی، وہ بھی آج یہاں رکی ہوئی تھی، صرف شہریار کی وجہ سے ورنہ اس کی تو حسین بیگم سے بھی نہیں بنتی تھی۔

"تم تو فضول بکواس کرتی رہا کرو"۔

"وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، یہ بتاؤ تمہارے ساتھ اب مسئلہ کیا ہے، حسنیٰ نہیں آ رہی ہے اس کی فکر ہے"۔ وہ سمجھ گیا تھا، کیونکہ اس دن سے حباب نے حسنیٰ کی کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔

"اگر بولوں کے ہاں ہے، تو کیا آپ انھیں لے آئیں گے؟" اس نے منہ بسور کے کہا۔

"وہ اتنی خاص تو نہیں ہے جو تم اس کی فکر لگا کے بیٹھی ہو"۔ شہریار کو بھی کچھ عادت ہو گئی تھی جب تک حسنیٰ سے الجھ نہیں لیتا چین ہی نہیں پڑتا تھا۔

"آپ کو پتہ ہی ہے ان دونوں کی دوستی کتنی ہے"۔ ارومہ نے پھر تائیدی کہا۔

"وہ لڑکی پتہ نہیں اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے، تمہارے ماموں کا دو دفعہ رشتہ ریجیکٹ کر چکی ہے، تم ہو کہ اس فکر میں اداس بیٹھی ہو"۔ شہریار نے اس کی صورت دیکھی، جو اتری ہوئی تو کسی اور وجہ سے تھی، یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

ZZZ SGIERRRNVIUHH SN

مہر بھٹی

افسانہ

عشق کے رنگ ہزار سائیں

سنا تھا زندگی آزمائش لیتی ہے محسن
پر یہاں تو آزمائشوں نے زندگی لے لی

وہ گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی کالج کی طرف جا رہی تھی، جب اپ

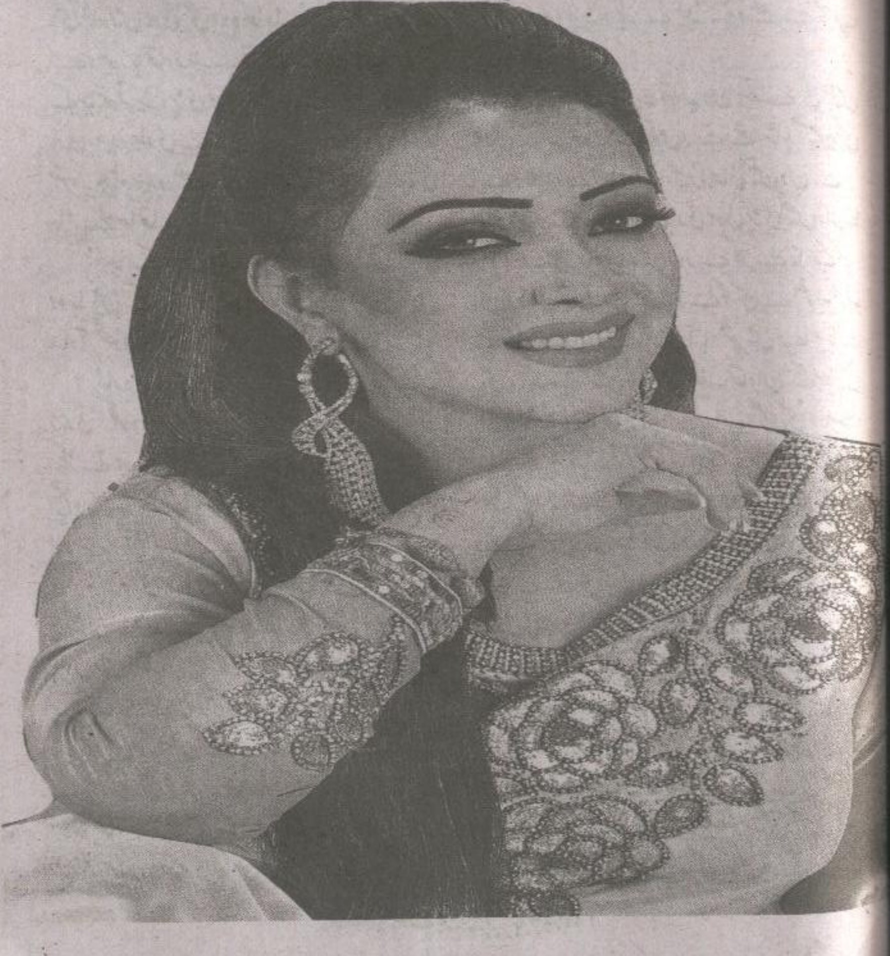

پیچھے اسے شور سا محسوس ہوا، زینب نے بدحواسی سے مڑ کر دیکھا تھا، موٹر سائیکل پر سوار لڑکے نے بالکل اس کے سامنے بائیک روکی اور اسی اثناء میں پیچھے بیٹھا لڑکا اس کی جانب لپکا تھا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھے بائیک پر دھکیلا تھا، وہ جو گھر سے روتی دھوتی ہوئی نکلی تھی، اس اچانک آنے والی افتاد کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو چکی تھی۔

”دیکھنا وہ کیسے بھاگا آئے گا، کمینے نے ہماری برسوں کی ساکھ خاک میں ملا دی اور وہ لڑکی... آنے دو، آتے ہی دونوں کو گولیوں سے بھون دوں گا“۔

اجنبی کرخت آواز میں سخت جملوں کو سنتے ہوئے وہ ہوش میں آئی تھی، ملگجے اندھیرے میں اس نے پلکیں جھپک کر دیکھا تو جگہ بھی اجنبی ہی تھی، زینب کا دل خوف سے بھرنے لگا، بان کی چٹائی پر بیٹھی وہ ارد گرد پڑے ٹوٹے پھوٹے سامان کو دیکھتی خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اس کے یوں سسکنے پر حیدر شاہ اس کی طرف آیا تھا، اس کے علاوہ ایک لڑکا اور بھی وہاں موجود تھا۔

”ہوں... آگئیں ہوش میں، ہوش تو اب ٹھکانے لگیں گے تمہارے گھر والوں کے“۔ حیدر شاہ کی

ایک اداسی نے اسے گھیر رکھا تھا، وہ باہر آئی تو ابا چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے، زینب کے سر پر ہاتھ رکھا اور خود سے لگا کر تسلی دی، وہ حیران سی اندر کی جانب بڑھ گئی، وہ سب کے ردعمل پر حیران تھی، وہ ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھی، اماں آ کر سمجھاتی بجھاتیں لیکن وہ تو اندر سے مر ہی چکی تھی، میم بھی اس کی حالت دیکھ کر رو پڑتی تھی، اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کی پھپھو کے ساتھ کچھ برا ہو چکا ہے جس نے انھیں سرتاپا بدل دیا ہے۔ وہ اپنی پھپھو کو آئیڈیل مانتی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ غلط نہیں ہیں، لیکن ان کے ساتھ ظلم بہت بڑا ہوا تھا، اس نے طے کر لیا کہ زین اور حنا کے علاوہ حنا کے والدین کو بھی آئینہ دکھائے گی، وہ زبان کی تیز اور دماغ کی گرم تھی، اکثر باتیں منہ پر کہہ دیتی تھی، سمیرا بھابی بیٹی کی عادات سے اکثر خائف رہتی تھیں، میم کا اصل نام منزہ تھا، سب پیار سے میم کہتے تھے، زینب سے وہ صرف دو سال چھوٹی تھی، دونوں کی خوب بنتی تھی، سب کہتے تھے کہ میم زینب پر گئی ہے۔

☆..........☆..........☆

”تجھے تو وائرس ہو گیا ہے جگر!“ حسن نے کہا تو حیدر نے غصے سے اسے دیکھا تھا، وہ جو پچھلے ایک گھنٹے سے اسے اپنے دکھڑے سنا رہا تھا جواباً اس کی یہ بکواس سن کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھ یار! بیٹھ جا“۔ حسن اسے بٹھا رہا تھا، لوگ ان کی طرف متوجہ ہو رہے تھے کیونکہ وہ دونوں سی سائیڈ پر تھے، ہر طرف گہما گہمی اور زندگی سے بھرپور چہرے تھے۔

”وہی جسے عرف عام میں م۔ح۔ب۔ت کہتے ہیں“۔ حسن نے آنکھ دبا کر کہا تو وہ گہرا سانس بھرتا بیٹھ گیا تھا، یہ تو اسے معلوم تھا کہ اسے زینب نواز سے محبت ہو چکی ہے، لیکن اس تک یہ بات کیسے پہنچائے اس کے حل کے لیے وہ حسن کے پاس آیا تھا، جو اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر اپنی ہانک رہا تھا۔

”ایسا کرتے ہیں پہلے زینب بھابی سے بات کرتے ہیں، تُو پہلے بھابی کو منا“۔ اس کے بھابی کہنے پر حیدر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، وہ مسکرا رہا تھا، حیدر بھی مسکرا دیا وہ دل جیتنے کے ہنر سے واقف تھا، وہ دونوں کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

☆..........☆..........☆

اس نے رو رو کر اپنی حالت غیر کر لی تھی، دل کر رہا تھا کہیں سے وہ شخص اس کے سامنے آ جائے اور وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دے، اماں کی گود میں سر رکھے وہ خلاؤں میں گھور رہی تھی، جبکہ سمیرا بھابی اسے گھور رہی تھیں۔

”دیکھ تو ذرا، اتنا سا منہ نکل آیا ہے، کھایا پیا کر، خوش رہا کر، وہ بڑے لوگ ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں ان کا؟“ اماں کو آج اس بیٹی پر پیار آ رہا تھا۔

”نکمی اولاد پیدا کر ڈالی، ہمیں شرم میں ڈال کر کھلا ڈلا پھر رہا ہے“۔ اب وہ بہو کو سنا رہی تھیں، وہ ایک جھٹکے سے اٹھیں اور کمرے میں جا گھسیں، اصل میں وہ بہت خوش تھیں کہ ان کے لاڈلے نے اتنے بڑے گھر کی لڑکی پر ہاتھ ڈالا ہے، وہ تو صرف شوہر کی وجہ سے خاموش تھیں، ورنہ ساس کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتی تھیں۔

☆..........☆..........☆

دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھلا تھا کہ حسن کے ہاتھ میں موجود کافی کے کپ سے گرم کافی اس کے مضبوط ہاتھ پر چھلک پڑی تھی، حیدر شاہ نے بھی کافی حواس باختگی سے دروازے کی سمت دیکھا تھا، منزہ ضیاء کافی غصے سے ہانپتی ان کے قریب چلی آئی تھی۔

”تو مسٹر حیدر شاہ! ان اونچی لمبی عمارتوں میں بیٹھ کر باہر چلتے پھرتے لوگ کیڑے مکوڑے لگتے ہیں، آپ نے جو کیا بڑا کام کر دیا، کمزور ذات کو نشانہ بنایا اور تسکین ہو گئی تو چھوڑ دیا، آپ کی تو تسکین ہو گئی، کبھی سوچا اس کا کیا ہوگا؟ وہ معصوم دنیا کی نظروں میں کیا ہوگی؟ یہ دنیا اور اس دنیا کے لوگ کیا سمجھیں گے اسے؟ نہیں سوچا، سوچا تو صرف اپنی بہن کو، اب جب وہ سامنے آئے تو مار دینا گولی پھر میں کہوں گی آپ واقعی میں غیرت مند بھائی ہیں، بزدل ہو تم، بزدل“۔ وہ رو رہی تھی، حسن نے مسکراتی نگاہوں سے اس شعلہ جوالہ کو دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی جبکہ حیدر شاہ سر کو دونوں ہاتھوں میں گرا کر کرسی پر ڈھے سا گیا، حسن رضوی نے اس کے میز پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی، جبکہ آنکھوں میں اس شعلہ جوالہ کا سراپا گھوم رہا تھا، وہ دونوں زینب کے سامنے بیٹھے تھے، میم اور حرا بھی وہیں موجود تھے، حنا اس کے ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی، حماد گلوگیر لہجے میں مسلسل اسے کنوینس کر رہا تھا، جبکہ وہ خود خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی، سب گھر والوں نے انھیں معاف کر دیا تھا، آخر کو وہ اس گھر کا سب سے بڑا پوتا تھا، البتہ حنا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے بھائی نے ایسا کیا ہے، زینب کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں، وہ کیسے بتاتی انھیں، وہ انھیں کیسے بتاتی کہ ان دونوں کی وجہ سے اس کا کتنا بڑا نقصان ہو چکا ہے، وہ ساری زندگی بیٹھی روتی رہے تو بھی افسوس کم نہ ہو، اذیت ختم نہ ہو، زینب نے بے ساختہ حنا کے ہاتھ جھٹکے اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی، میم اور حرا بھی اس کے پیچھے ہی نکلی تھیں، حنا دل گرفتہ سی بیٹھی رہ گئی، نادانی میں اٹھایا گیا یہ قدم اسے پچھتاوؤں میں دھکیل رہا تھا، عزیز از جان دوست اور والدین جیسی ہستی تک کو کھو دیا تھا اس نے، سمیرا بیگم خوب آگے پیچھے ہو رہی تھیں اس کے، آخر کو اکلوتی لاڈلی بہو تھی ان کی، بیٹے کی من پسند اور خوبصورت۔

☆..........☆..........☆

عالیہ بیگم حیرانگی سے حسن کو دیکھ رہی تھیں، یہ کیا کہہ رہا تھا وہ، انھیں اب سمجھ آ رہا تھا کہ کیوں وہ حیدر کی غیر موجودگی میں چلا آیا تھا۔

”استغفر اللہ... یہ کیا کر دیا تھا حیدر نے“۔ ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

”اسی لیے تو آنٹی! ہم چاہتے ہیں کہ آپ باقاعدہ رشتہ لے کر جائیں ان کے گھر، غلطی ہم سے ہوئی ہے تو سدھاریں گے بھی ہم“۔ وہ انھیں قائل کر رہا تھا، انھوں نے کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا حسن نے گرمجوشی سے ان کے ہاتھ دبائے تھے، وہ رات بارہ بجے گھر آیا تو پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا، عالیہ بیگم جو کافی دیر سے اس کا انتظار کر رہی تھیں اس کے برابر میں آ بیٹھیں، حیدر چونکا تھا اور ماں کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

”کچھ پتہ بھی ہے آپ نے کیا کیا ہے حیدر! میری یہ تربیت تو نہیں تھی، ادھر حنا نے اثر دکھایا اور ادھر آپ نے مجھے خدا کے سامنے جواب دہ کر دیا، ٹھیک ہے ہماری رسوائی ہوئی، ہمیں ذلت اٹھانی پڑی، اس سب میں ہماری لڑکی خود راضی بہ رضا تھی تو کسے دکھانے اور جتانے کے لیے آپ نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ ایسا کیا؟ آپ نے تو مجھے بہت مایوس کیا ہے حیدر!“ وہ اس پر برہم ہو رہی تھیں، وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”آئی ایم سوری مما! غصے میں میرا بی پی شوٹ کر گیا تھا، میں پاگل ہو گیا تھا پاپا کی حالت دیکھ کر، مجھے معاف کر دیں مما پلیز! وہ رو رہا تھا۔

”میں بہت بے چین ہو چکا ہوں مما!“ عالیہ بیگم نے اسے زمین سے کھڑا کر کے بانہوں میں بھر لیا تھا۔

”اٹس فائن... سنبھالو خود کو، مجھے اذیت ہو رہی ہے جان! ہم کوشش کرتے ہیں کہ بات بن جائے“۔

☆..........☆..........☆

تیسری بیل پر گیٹ کھولا گیا تھا، گیٹ میم کھول کر انھیں اندر لے آئی تھی، وہ انھیں ڈرائنگ روم میں

لائی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا، اس نے شعلہ بار نظروں سے سامنے کھڑے حیدر شاہ کو دیکھا، کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر۔

”اوہ... تو یہ گھٹیا پلاننگ تمہاری تھی، تم سمجھتے کیا ہو خود کو، سب کو اپنی طرف کر کے مجھے اکیلے پن کا احساس دلا کر اپنی اہمیت جتاؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے“۔ وہ کانپ رہی تھی۔

”مجھے ان سب کی نہیں تمہاری ضرورت ہے، صرف تمہاری، میرا خدا جانتا ہے زینب! میں بہت فیئر سا بندہ ہوں، پاپا کی حالت دیکھ کر اور پھر پتہ نہیں کیا ہوا، غصے میں تمہیں میں نے رسوائی میں دھکیل دیا، پھر مجھے احساس ہوا اور میرے ضمیر نے مجھے بارہا ملامت کی، ادھر دیکھو میری طرف“۔ وہ رخ موڑے کھڑی تھی جب حیدر نے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف موڑنا چاہا تھا۔

”دور رہو مجھ سے، تم ایک گھٹیا اور چھوٹی ذہنیت کے مرد ہو، آئی ہیٹ یُو“۔ وہ چلائی تھی، حیدر شاہ کی آنکھوں میں سرخیاں اترنے لگیں، وہ ایک کیئرنگ اور حساس شخص تھا، اس میں ایک خامی تھی کہ بلا کا شدت پسند تھا، غصے و انتقام میں اٹھایا گیا قدم اسے پچھتاوے دے رہا تھا، وہ زینب سے محبت کرتا تھا بے حد بے تحاشہ، اس کے سرکل میں کئی لڑکیاں تھیں، وہ جس کے سامنے کھڑا تھا وہ اسے سب سے منفرد لگی تھی، لیکن وہ اس سے نفرت کرتی تھی، یہ سوچ اسے پاگل کر رہی تھی، وہ تو ہمیشہ چاہا گیا تھا لیکن وہ جسے چاہتا تھا وہ اسے نہیں چاہتی تھی، اس کی نظروں میں اس کی وقعت ہی نہیں تھی۔

”تم مجھے سزا دینا چاہتی ہو ناں؟“ وہ سرد و سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا، زینب نے کوئی جواب نہ دیا اور رخ پھیرے کھڑی رہی، اسے محسوس ہو رہا تھا، اگر اس نے حیدر شاہ کی سمت نگاہ کی تو وہ پلٹنا بھول جائے گی اور دل بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا۔

”ٹھیک ہے میں اس کے لیے تیار ہوں، بتاؤ میں کیا کروں؟ اس کھائی میں کود جاؤں؟“ اس نے تھوڑے فاصلے پر موجود گہری کھائی کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھنے لگا۔ زینب کو حقیقی معنوں میں اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی، وہ دہل کر رہ گئی، حیدر شاہ جنونی ہو رہا تھا، بادامی آنکھوں میں غضب کی لالیاں تھیں، وہ بدحواس ہو کر اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

”حیدر! رک جاؤ“۔ وہ اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے درمیان بولی تھی لیکن وہ نہ رکا۔

”حیدر! پلیز تمہیں میری قسم“۔ وہ پوری قوت سے چلائی تھی اور گاڑی سے لگ کر نیچے بیٹھ گئی، حیدر نے فوراً مڑ کر اسے دیکھا تھا اور بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا، وہ رو رہی تھی، حیدر نے اسے بازو سے پکڑا تو وہ اس کے سینے پر سر رکھے برساتی سینے سے لگ گئی تھی، وہ روتی رہی اور وہ اس کی ریشمی زلفیں سہلاتا رہا تھا۔

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، تمہیں میری قسم! مم... مجھے پتہ نہیں چل رہا حیدر! مجھے کیا ہو رہا ہے، میں خود کو بے بس فیل کرتی ہوں“۔ وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے کہہ رہی تھی وہ بے خود سا اسے دیکھے گیا، ستواں ناک میں سجی وائٹ نوز پن اور سایہ فگن پلکیں وہ بہت پیاری تھی۔

”میں برا ہوں ناں، میں بہت برا ہوں“۔ وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولا تو زینب نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ حیدر شاہ سے محبت کرتی تھی، محبت کو پانا یا اقرار کرنا اس جیسی حالات کی سہمی ہوئی لڑکی کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، وہ تو زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم تھی، پھر محبت تو بہت دور کی بات تھی۔

☆..........☆..........☆

گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے، زرد رنگ کے شلوار قمیض اور پھولوں کے زیورات سے سجی سنوری زینب بہت کھل رہی تھی، سفید کلف کے شلوار قمیض میں حیدر شاہ بھی سب کی توجہ کا مرکز تھا، شہر کے معروف ہوٹل میں تقریب ارینج کی گئی تھی، پوری تقریب کے دوران حسن اور میم نے خوب ایک دوسرے کو آنکھیں دکھائی تھیں، دراصل طارق روڈ پر شادی کی شاپنگ کے دوران دونوں کی ٹھن گئی تھی، اب پھر وہی دشمنی عود کر آئی تھی، رخصتی دو روز بعد تھی، سب تیاریاں مکمل تھیں، ثناء کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کچھ کر ڈالے اس کا ذاتی خیال تھا کہ پھپھو خوب ہنگامہ کرے گی اور بالآخر حنا کو اس گھر سے نکلوا کر ہی رہیں گیں، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا تھا، دونوں ماں بیٹیاں اندر ہی اندر خاک ہوئی جا رہی تھیں، اب تو سب سے بڑا پتہ ان کے ہاتھ لگ گیا تھا، میم اور زینب کے درمیان حیدر شاہ سے ملاقات اور زینب کی حیدر شاہ سے خاموش محبت کا فسانہ پتہ نہیں کیسے ثناء نے سن لیا تھا، اس طرح ماں نے یہ بات شوہر کے کان میں ڈالی کہ بہن مظلوم نہیں بلکہ شاطر ہے اور انھیں اپنی مرضی سے انگلیوں پر نچا رہی ہے، شاہد حسین وہیں کھڑے کھڑے بھڑک اٹھا تھا، کسی کو معلوم نہیں تھا کہ تقریب کے دوران وہ کیا گل کھلا چکی ہیں۔

”ہماری عزت خاک میں ملا دی اس لڑکی نے ضیاء بھائی! میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا“۔ شاہد بہت غصے میں تھا۔

”آہستہ بات کرو اور زیادہ تماشا کرنے کی ضرورت نہیں، اگر زینو کو مار دیا ناں تو لوگ سو باتیں بنائیں گے، رسوائی ہماری ہوگی، وہ تو دفن ہو جائے گی، پھر تُو سوچ ہماری بیٹیوں کا کیا ہوگا؟ کون آئے گا انھیں بیاہنے؟ ویسے بھی وہ نحوست کل اس گھر سے ٹلنے والی ہے“۔ ضیاء اسے سمجھا رہا تھا، وہ سر جھٹکتا ہوا باہر نکل گیا، جیسے یہ سب اسے گوارا نہیں، انھوں نے حنا کو کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ وہ بڑے گھر کی لڑکی تھی اور ان کے سب سے بڑے وارث کی من پسند، رہ گیا زین.... تو وہ مرد تھا اور مردوں سے یہ فضول پوچھ گچھ کرنا وہ ضروری نہیں سمجھتے تھے، ان کی ساری تان زینب پر ٹوٹ رہی تھی، ریڈ بھاری لہنگے اور بھاری زیورات سے آراستہ وہ کسی موم کی گڑیا جیسی لگ رہی تھی، ساری دنیا سے بے خبر وہ موت کو شکست دے کر نئی زندگی کی طرف لوٹی تھی، حیدر شاہ اس کا نازک سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبائے دیوانوں کی طرح اسے دیکھے جا رہا تھا، دودھ پلائی کی رسم میں اسے زہر دیا گیا تھا، شاہد حسین نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی پوری کوشش کی تھی، حجلہ عروسی میں ہی وہ بے سدھ ہو گئی تھی، لیکن فوری ٹریٹمنٹ سے اسے بچا لیا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

ولی بہت اچھل رہا تھا، ایئرپورٹ پر خاصی رونق تھی، وہ دونوں بیٹے کی توتلی باتوں پر مسکرا رہے تھے، میم اور حسن اپنی دو سالہ بیٹی کے ہمراہ ایبروڈ سے واپس آ رہے تھے، حنا اور زین کمپنی کی طرف سے دیئے گئے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے، البتہ شاہد لوگوں سے ان کی فیملی نے بائیکاٹ کر لیا تھا، اپنی پھپھو کے ساتھ کی گئی زیادتیوں نے زین کو بہت دل برداشتہ کر دیا تھا، حیدر کو بھی زینب نے بمشکل ٹھنڈا کیا تھا، وہ اس کے بھائی کے خلاف کارروائی کرنے کو مچل رہا تھا، البتہ باقی فیملی زینب سے ملنے آتی رہتی تھی، حرا میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی، سلمٰی نے آرمی جوائن کر لی تھی، حیدر شاہ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا، پانچ سال گزرنے کے باوجود حیدر شاہ کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، حنا اور زینب کی دوستی بھی ہو گئی تھی، حنا کی دو جڑواں بیٹیاں تھیں، زینب اکثر سوچتی کہ اس کے ساتھ ہوئے حادثات میں بھی خدا کی مصلحت پوشیدہ تھی، حسن اور میم آ چکے تھے وہ دونوں آگے بڑھ کر ان سے ملنے لگے، زندگی سے بھرپور ان کے قہقہے ماحول کو گرما رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

راشدہ نے بھی غصے وناراضی کا اظہار کیا تھا۔

”کیا برا کر رہا ہوں میں آپ کی لاڈلی بہو کے ساتھ؟ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہوں، اسے کس چیز کی کمی ہے؟“ وہ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ماں سے بولا تھا، ورنہ غصہ تو اتنا آ رہا تھا کہ اگر سامنے اصل فساد کی جڑ ہوتی تو وہ آج تو کچھ کر ہی ڈالتا۔

”عزت اور محبت کی کمی ہے امجد! مائدہ دنیاوی آسائشات پر مرنے والی لڑکی نہیں ہے، بیوی ہے تمہاری، اسے چاہت وخلوص تو کیا دیتے اس کے بنیادی وازدواجی حقوق سے ہی تم نے محروم کر رکھا ہے۔“ اس کے غصے کو محسوس کرتیں وہ بھی اشتعال میں آ گئی تھیں کہ رات سے ہی وہ پریشان تھیں، مائدہ کی تکلیف کا احساس انھیں بے چین کیے ہوئے تھا اسی لیے وہ نرمی کا دامن چھوڑ گئی تھیں اور وہ.... اس کا تو غصے سے برا حال ہونے لگا تھا، اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں، اسے مائدہ سے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ ان کے آپسی تعلقات کی کمیاں، محرومیاں سب سے کہہ دے گی، اس نے ماں سے بے ساختہ ہی نظریں چرائی تھیں ان کی ملامتی نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔

”اور آفرین ہے اس بچی پر جس نے اف تک نہ کیا، نہ رویے سے نہ انداز اور نہ ہی زبان سے کبھی کچھ کہا نہ اظہار کیا“۔ ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

”اس نے کچھ نہیں کہا تو آپ لوگوں پر نعوذ باللہ وحی نازل ہو گئی ہے؟ ہمارے آپسی تعلقات کیسے ہیں یہ آپ لوگوں کو کیسے پتہ چلا؟“ وہ اپنی خجالت وشرمندگی مٹانے کو غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

”رویے بہت کچھ سمجھا دیتے ہیں امجد! مگر ہم نے آنکھوں دیکھی مکھی نگلی، تم پر بھروسہ کیا، تم سے آس لگائی جوان کے مفہوم ومطالب بھی نہیں جانتا، مگر ہم تمھیں بہت کچھ سمجھا چکے، بہت ڈھیل دے چکے فیصلہ کر لو آج ابھی اسی وقت کہ تم نے مائدہ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے یا نہیں؟“ وہ غصے سے پھنکار رہے تھے۔

”یہ سوال بہت جلدی نہیں پوچھ لیا آپ نے؟“ اس نے طنز سے ہنکارا بھرا تھا۔

”میں اب تک مجبوری میں آدھے ادھورے نام نہاد رشتے نبھاتا رہا ہوں، جبکہ مائدہ سے مجھے نہ کل دلچسپی تھی، نہ آج ہے اور نہ ہی میرا ارادہ ہے، فیصلہ لیکن میں نے نہیں آپ نے کرنا ہے کہ شادی زبردستی کروائی تھی اب اس کو خود ہی انجام دے دیں گے تو اچھا ہوگا“۔ وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتا صاف گوئی کی انتہاؤں کو پہنچا ہوا تھا۔

”ہاں کرنا تو مجھے ہی کچھ پڑے گا، مگر تم اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم مائدہ بیٹی کی زندگی برباد کر کے اس لڑکی کو جسے چاہتے ہو آباد کر لو گے، مائدہ سے نہیں اس گھر سے، ہم سب سے تمہارا رشتہ ختم ہوگا، تمہیں میں عاق کر دوں گا، کہ اس گھر کی بہو صرف مائدہ ہے، اور میری آخری سانس تک وہی رہے گی“۔ وہ کف اڑا رہے تھے اور وہ مارے تذلیل واہانت کے سلگ اٹھا تھا، جبکہ وہ ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

”امی! آپ ابو سے کہہ دیجیے گا انھوں نے جو کرنا ہے کر لیں کہ میں مائدہ کو نہیں اپنانے والا اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میں جسے چاہتا تھا شادی کر چکا ہوں اور مجھ میں اتنا دم ہے کہ یہاں سے نکل کر نوید عالم کے عاق کر دینے پر نہ خود بھوکا مروں گا نہ بیوی اور بیٹی کو ماروں گا“۔ جبکہ وہ تو اس کی باتوں میں ہونے والے انکشاف پر ہی اٹک گئی تھیں۔

روح افزا
ہر گیم میں ہو انرجی فُل!
اور کیا چاہیے!
ہمدرد

سے ماردوں گا"۔ وہ اس کے قریب آتے ہوئے دھاڑا تھا، وہ بے ساختہ لرز کر کچھ قدم دور ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے، لبوں سے اگلتے انگارے اس کا چہرہ زرد کر گئے تھے کہ وہ پرسوں رات کی بے عزتی بھولی نہیں تھی، زندگی کا پہلا تھپڑ اس بے صبر سنگدل شخص کے ہاتھوں کھا چکی تھی اور گھر میں کسی بڑے کا نہ ہو اس کے اوسان خطا کر دینے کو کافی تھا، وہ اس بے حس، غصیلے شخص سے کچھ کچھ واقف ہو ہی گئی تھی، وہ غصے میں تو کچھ سوچتا ہی نہ تھا کہ اپنے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اشتعال کی نظر کر دیتا تھا۔

"جواب دو مجھے تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ہمارے آپسی تعلقات کی نوعیت ابو اور امی کو بتانے کی؟" اس نے لرزتی ہوئی مائدہ کا بازو جکڑا تھا اس کی چیخ کیا نکلی تھی، اس کا اشتعال دگنا ہو گیا تھا۔

"میں نے سچ میں کسی سے کچھ نہیں کہا، آپ میرا ہاتھ چھوڑیں، مجھے تکلیف ہو رہی ہے"۔ رخساروں پر موتی گرنے لگے تھے اور وہ منمنائی تھی کیونکہ اس کی انگلیاں اسے اپنے بازو میں گڑھتی محسوس ہو رہی تھیں، اس کی گرفت اشتعال آمیز و جارحانہ تھی۔

"جھوٹ بولو گی تو یہیں کھڑے کھڑے زمین میں گاڑھ دوں گا"۔ وہ نفرت سے کہہ اٹھا تھا۔

"بنتی تو کتنی بھولی ہو، اور ایثار پسند، مشرقی عورت ہو، اور جب تمہاری مشرقیت اور بھرم رکھنے کی ادائیں کہاں مر گئی تھیں جو تم ہمارے ازدواجی تعلقات کی نوعیت ابو کو بتا رہی تھیں؟" حقارت سے کہتے ہوئے اشتعال آمیز تاثرات کے ساتھ اس کے بازو کو جھٹکا دیا تھا۔

"پہلے ہی کہا تھا ناں میں نے تو، کہ میری قربت کی خواہش ہے تو مجھ سے کہو، یہ چور دروازے تلاش کر کے سرعام اشتہار لگا کر تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟" الزامات کی بھی کوئی انتہا تھی، وہ کھڑے کھڑے اسے ذلت کے پاتال میں اتار گیا تھا۔

"زبان سنبھال کر بات کریں اسجد! میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی میں نے چور دروازے ڈھونڈے ہیں، اللہ گواہ ہے آپ کے پیرنٹس تو کیا میں نے کبھی اپنے پیرنٹس کو بھی کچھ نہیں بتایا کہ میں اتنی بے حیا نہیں ہوں کہ اتنی گھٹیا باتیں اپنے بزرگوں سے کرتی پھروں، آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیں، الزامات کی خوش فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے"۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرواتی شدتوں سے روتی کہہ رہی تھی، آج تو اس نے ڈیڑھ سالوں میں کی توہین کو تین سے ضرب دے کر اسے اتنا ذلیل کر ڈالا تھا کہ اس کے وجود میں کانٹے اگ آئے تھے، اور وہ چیخ پڑی تھی، غصے سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس قابل تھا ہی نہیں کہ وہ اپنے سچے جذبات اس کے نام کرتی اس کے دل میں موجود اس کی محبت پھڑپھڑانے لگی تھی، آزادی کی التجا کرنے لگی تھی کہ محبت بھی اتنی ذلت کہاں سہہ پاتی ہے۔

"مجھے آپ کی قربت کی خواہش کبھی نہیں رہی اور آپ کو یہ خوش فہمی لاحق ہوئی بھی تو کیسے، بتائیے مجھے کب میں آپ کے آگے بن ٹھن کے پھری؟ کب آپ کو اپنی اداؤں سے لبھایا؟ آپ نے اگر مجھے دھتکار دیا تو میں نے کبھی آپ کو پانے، حاصل کرنے کی کوشش نہ کی، کہ مجھے اپنی عزت نفس اور انا دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں اپنے مقام سے نہیں گر سکتی، آپ مجھے اپنی طرح گرا ہوا نہ سمجھیں کہ جب میں نے اپنے جائز مطالبات کے لیے آپ کے آگے آواز بلند نہ کی تو چور دروازے ڈھونڈنے کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں، اگر میں آپ کے لیے غیر اہم ہوں تو آپ بھی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، آپ اگر مجھے بیوی نہیں سمجھتے تو مجھے بھی آپ کو زبردستی اپنا شوہر بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں یہاں صرف اپنے

پیرنٹس کے لیے ہوں ان کو دکھ سے بچانے کے لیے مجبوری کے آدھے ادھورے رشتے نبھا رہی ہوں، لیکن اب مزید نہیں کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، میں اب یہاں آپ کے ساتھ آدھے ادھورے رشتے جوڑ کر نہیں رہوں گی، چلی جاؤں گی میں یہاں سے"۔ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، بے تاثر نگاہوں سے اس کے لہو رنگ چہرے کو دیکھ رہی تھی، یکدم وہاں سے جانے کو پلٹی تھی وہ وہاں سے اس شخص کے سامنے سے اس کی نفرت و حقارت بھری تذلیل چھلکاتی نگاہوں سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔

"تم یہاں سے جانا تو دور سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا"۔ اس نے اس کی گلابی چوڑیوں سے سجی دودھیا نرم کلائی تھام کر اسے اپنی اور کھینچا تھا اور اس کی سرخ نمناک آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔

"تم نے نہیں کہا کچھ، میں نے نہیں بتایا کچھ، ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوا، اور یہ سلسلہ آگے بڑھے مجھ پر میری مردانگی پر سوال اٹھیں، اس سے پہلے ہی مجھے اس سارے قصے کو ختم کرنا ہوگا"۔ اس کا سرد لہجہ اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گیا تھا اس نے چند قدم پیچھے لے کر اس سے فاصلہ قائم کیا تھا، کلائی آزاد کروانا چاہی تھی مگر اس کی گرفت بھی بلا کی مضبوط تھی، اور اس کی نازک گلابی کانچ کی چوڑیاں اس کی گرفت کی نظر ہونے لگی تھیں۔

"نہ خواہش تمہیں ہے، نہ ہی کوئی آرزو میرے دل میں پنپ رہی ہے، مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، وقت حسین ہے، رات بھی خوبصورت ہے، تم بھی جواں ہو حسیں ہو، کچھ میں بھی تو اس معصوم حسن کے جلوے دیکھ لوں، کچھ اپنے کمالات دیکھ لوں کہ قربتیں ضروری تو نہیں ناں کہ ہمیشہ من چاہی ہوں"۔ وہ اس کے لفظوں پر غور کرتی اس کی جسارتوں پر بند باندھتی، لرزتی، سسکتی اپنی پوری جان لگا کر اپنی کلائی آزاد کرواتی دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے اسے بازو سے تھام کر بیڈ کی طرف دھکیل دیا تھا، وہ اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی، مگر اس کی حسیات بڑی تیزی سے کام کر رہی تھیں، وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سیدھی ہوئی تھی اور اس کو دیکھنے لگی تھی، جس نے شرٹ کے بٹن کھولے بنا دونوں ہاتھوں سے شرٹ کی بٹن پٹیوں کو یوں کھینچا تھا کہ سارے بٹن ٹوٹ کر بکھر گئے تھے اور اس نے شرٹ اتار کر صوفے پر اچھال دی تھی، وہ اس کے تیوروں سے خوفزدہ ہوتی بیڈ سے اتری تھی۔

"دل میں تمہارے لیے جگہ نہیں تو کیا ہوا مائدہ! تمہیں اپنے پہلو میں تو جگہ دے ہی سکتا ہوں کہ بات اب مردانگی تک جا پہنچی ہے اور کیا پتہ تم ادائیں دکھاؤ تو میں تم پر تمہارے اس سادہ حسن پر دل بھی وار دوں"۔ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ لگ رہا تھا، اس پر خود کو برتر ثابت کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی، وہ اپنے معیار اور اخلاقیات سے نیچے گر گیا تھا، اور وہ خود کو پاتال میں دھنستا محسوس کرنے لگی تھی، اس کی مضبوط گرفت میں بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی رہائی کے لیے فریاد کناں ہو گئی تھی۔

"پلیز اسجد! آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، چھوڑ دیں مجھے، جانے دیں خدا کے لیے، میں مر جاؤں گی، یوں میری تذلیل نہ کریں، میری نسوانیت تار تار نہ کریں"۔ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، مگر وہ جیسے آنکھوں کے ہوتے اندھا ہو گیا تھا، اس کی بے بسی اس کی تڑپ نہیں دیکھ سکتا تھا، کانوں کے ہوتے بہرہ ہو گیا تھا کہ اس کی فریاد اس کا بلکنا، التجائیں کرنا کچھ بھی اس کے کانوں تک نہیں جا رہا تھا کہ اس کے تمام احساسات ہی فی الوقت مردہ ہو چکے تھے، اس کو صرف اپنی مردانگی ثابت کرنی تھی اور اس سب میں وہ اس

مل جانے والی تربیت کی تکلیف کو بھلائے اس باوقار وانا پسند، بھرم رکھتے رکھتے بکھر جانے والی لڑکی کا بھرم سب کے سامنے رکھ لیا تھا، اس کی ذات کو تشہیر سے بچالیا تھا، اسجد اپنے عمل پر نادم نہ تھا، وہ خود کو غلط نہیں سمجھ رہا تھا، مگر جب اسے مائدہ کے ہاسپٹل میں ہونے کا پتہ چلا تھا، ندامت کا احساس اس کے ہر احساس پر حاوی ہوگیا تھا اور اسی کے زیر اثر اس نے اپنا بھرم بھی تو رکھنا تھا، ہاسپٹل پہنچا تھا، نوید عالم نے کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہاں سے دفع ہوجانے کو کہا تھا، اس کی ندامت پر ہونے والی بے عزتی حاوی ہوگئی تھی اور وہ وہاں ٹھہرا نہ تھا اس کو دیکھ کر فریدہ اور یوسف الحسن نے کسی قسم کا ری ایکشن ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کی حسیات تو بیٹی کی جانب مرکوز تھیں، ان کا تو رواں رواں اس کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھا، گیارہ گھنٹے چوبیس گھنٹوں میں منتقل ہوگئے تھے، ارحم الحسن بھی پنڈی سے آ گیا تھا اور ان سب کی دعائیں ہی تھیں کہ روح کے مردہ ہوجانے کے باوجود اس کے وجود میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی موت کو شکست دے گئی تھی کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

☆……☆……☆

"ممّا! اس سب کی ذمے دار صرف آپ ہیں، آپ سے کتنی بار کہا تھا ناں میں نے کہ مائدہ کچھ پریشان لگتی ہے، وہ شادی کے بعد خوش نہیں ہے، اس نے ہنسنا مسکرانا چھوڑ دیا ہے، وہ اداس رہنے لگی ہے، مگر آپ نے میرا وہم کہہ کر ٹال دیا، نہ آپ نے خود بات کی نہ مجھے کرنے دی، اسجد نے میری بہن کی زندگی تباہ کردی اور میں اب کسی کا بھی منہ دیکھ کر خاموش نہیں رہوں گا، اسجد کو جواب دینا ہوگا کہ اس نے جب شادی کی ہوئی تھی تو مائدہ سے شادی کیوں کی؟ کیوں میری بہن کو موت کے دہانے تک لے گیا اور یا خدا میری بہن کو کچھ ہوا تو میں اسجد کو جان سے ماردوں گا"۔ وہ بہن کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا کہ وہ شخص رشتوں سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے والا تھا، خود سے وابستہ کسی بھی انسان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور مائدہ کے لیے تو وہ پریشان رہا تھا، ماں سے اپنی پریشانی بانٹی بھی تھی، خود مائدہ سے پوچھا تھا مگر کہیں سے بھی اس کی تسلی نہ ہوئی تھی، اب انکشاف ہوا تھا کہ مائدہ سے شادی سے پہلے ہی اس نے شادی کی ہوئی تھی، اس کی ایک بیٹی بھی ہے اور یہی انکشاف مائدہ کو موت کے دہانے تک لے گیا۔ راشدہ کے علم میں یہ بات تھی مگر انھیں کیا پتہ تھا کہ جو بات وہ کسی کے سامنے کہہ نہیں پا رہیں، وہ سب کو نہ صرف بتائیں گی بلکہ اس کے ذریعے ہی کتنے لوگوں کا بھرم رہ جائے گا۔

"پلیز ارحم! کچھ الٹا سیدھا مت کر بیٹھنا کیوں کہ میں پہلے ہی پریشان ہوں"۔ ماں کو روتے دیکھ کر وہ نرم پڑ گیا تھا۔

"آئی ایم سوری ممّا! بٹ مائدہ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی، اس کے ہم سب مجرم ہیں، وہ دکھی تھی، پریشان تھی اور ہم سب اپنی زندگی میں مگن رہے"۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"میں اپنی زندگی میں مگن نہیں تھی، مائدہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، میرے پوچھنے پر بھی نہیں، اس نے مجھ سے صرف اتنا کہا تھا (ممّا! آپ کے محسوسات غلط نہیں ہیں، میں خوش نہیں ہوں، لیکن میں خدا کی ذات سے مایوس نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ میری زندگی سہل ہوجائے گی اور جب مجھے یقین ہے تو کیوں میں اشتہار لگا کر سب کی ہمدردیاں سمیٹوں کہ مجھے اپنی انا بہت عزیز ہے، کوئی مجھ سے سوال کرے، یہ مجھے نہیں پسند، اور بتانے سے تکلیف راحت تو نہیں بنے گی ناں، اس لیے میرا بھرم قائم رہنے دیں، نہ آپ سوال

کریں نہ کوئی اور... ارحم بھیا سے بھی کہہ دیں کہ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، اور میرے نصیب میں خوشیاں ہوں گی تو وہ بھی مل جائیں گی کہ مکمل جہان تو کسی کو بھی نہیں ملتا) یہ سب کہا تھا مائدہ نے اسی لیے میں خاموش رہی، تمہیں بھی رہنے کو کہا کہ مائدہ بہت حساس لڑکی ہے، اپنی عزت نفس اور وقار اسے ہمیشہ عزیز رہا، اسجد کا رویہ ٹھیک نہیں تھا، توجہ، محبت کچھ نہیں دیا اس نے، مگر وہ سہہ گئی مگر یہ نہ سہہ سکی کہ اس کا شوہر ہی اس کا نہیں ہے"۔ وہ بیٹے کے کاندھے سے لگیں بری طرح رو رہی تھیں، وہ احساس جو وہ کبھی بیٹے سے تو کیا شوہر سے بھی نہیں کہہ سکتی تھیں، وہی احساس ان کو خون کے آنسو رلا رہا تھا، بیٹی کی ناقدری پر وہ تڑپ رہی تھیں، مگر کہہ نہیں سکتی تھیں۔

☆……☆……☆

"تڑاخ...!" اسجد تو اس کو اپنے فلیٹ پر دیکھ کر ہی حیران تھا کہ اس کے عمل پر ساکت رہ گیا تھا۔

"یہ تھپڑ میں نے تمہیں مائدہ کا بھائی بن کر نہیں مارا ہے کہ اس کا بھائی بن کر تم سے جواب طلبی کرنے پر آؤں، تو تمہیں جان سے ہی ماردوں"۔ وہ بہت اذیت زدہ لہجے میں کہتا اس کو ہی نہیں یسریٰ کو بھی ششدر کر گیا تھا۔

"تم پر کتنا بھروسہ کیا تھا اسجد! اور تم نے ہم سب کا بھروسہ توڑ دیا"۔ کہتے ہوئے نگاہ یسریٰ پر پڑی تھی۔

"یہی لڑکی تھی ناں جس کا ایکسیڈنٹ تمہاری گاڑی سے ہوا تھا، تم اس کے لیے کتنا پریشان تھے، میرے ذہن میں کتنے ہی سوال اٹھے تھے، مگر تم پر شک نہیں کیا"۔ وہ اس پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا، جو دو ماہ کی بچی گود میں لیے ساکت وشرمندہ سی کھڑی تھی۔

"اتنا تو بااختیار تھا ناں کہ اپنی اپروچ کے ذریعے تمہاری انکوائری کروالیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہاری زبان پر بھروسہ کیا جبکہ اگر تم مجھ سے کہتے ناں اسجد! کہ یہ لڑکی تمہاری محبت ہے، تمہاری محبت میں جان دینے چلی تھی، تو میں خود تمہاری اس سے شادی کرواتا، لیکن تم نے ہم سب سے جھوٹ بولا، ہمیں دھوکا دیا، ہماری بچی کی زندگی برباد کردی، اس سے محبت تھی، شادی بھی کرلی تھی تو کیوں کی مائدہ سے شادی؟ اور شادی کرلی تھی تو کیا کمی تھی اس میں جو اسے خوش نہ رکھ سکے؟ تم پہلے انسان تو نہ تھے ناں جس نے دو شادیاں کی تھیں تو پھر کیوں میری بہن کو اس نہج تک لے گئے ہم آج کتنے بے بس ہیں کہ کچھ نہیں کرسکتے، تمہیں بددعا نہیں دے سکتے، ماموں جان سے جواب طلبی نہیں کرسکتے، تم نے اپنی کمزوری سے رشتوں کو سوال بنادیا ہے، تم اتنا سب کچھ کر کے بھی یہاں مطمئن سی خوشگوار زندگی گزار رہے ہو، موت سے لڑ کر تو میری بہن آئی ہے، نظریں تمہارے والدین چراتے پھر رہے ہیں، ماموں جان کتنے دکھی ہیں، تمہارے کیے کی معافی وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگ رہے ہیں اور تم اپنی زندگی میں مگن ہو"۔ ارحم الحسن کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور وہ صحیح معنوں میں آج خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کر رہا تھا، ان سب کی اعلیٰ ظرفی نے اسے کتنا حقیر بنادیا تھا، وہ ارحم کو دیکھ رہا تھا جو اس وقت بھی اس تک اس لیے نہیں پہنچا تھا کہ اس نے اس کی بہن کو تکلیف پہنچائی تھی، اس لیے آیا تھا کہ وہ خود اپنے کیے کی معافی مانگے تاکہ اس کے پیرنٹس کو کسی سے معافی نہ مانگنی پڑے۔

"تمہارے کیے کسی بھی عمل میں ماموں جان اور بڑی مامی کا قصور نہیں ہے، اس لیے یہاں چھپ کر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ سب کا سامنا کرو، زندگی کا فیصلہ کرلو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری وجہ سے ماموں جان معافی مانگیں کہ تم بے حس ہوگئے ہو، ہم میں ابھی انسانیت بھی باقی ہے اور رشتوں کا احترام بھی"۔ وہ ایک

غصہ و نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتا جیسے آیا تھا، ویسے ہی چلا گیا تھا اور اسے لگا تھا کہ وہ خود سے اب کبھی نظر نہیں ملا پائے گا، اسے احساس جرم ہو گیا تھا جو اسے ساری عمر ہی بے چین رکھتا، کہی ہوئی بات اور کیا ہوا عمل لوٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

☆............☆............☆

"آپ لوگ کیوں ہر دوسرے دن میری ذات کی پنچایت لگا کر بیٹھ جاتے ہیں؟" دھیمے لہجے میں نپا تلا بولنے والی مائدہ شعلہ جوالہ بنی ان دونوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، محض پندرہ دنوں میں وہ بالکل ہی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ زرد چہرہ، آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے اس کو دیکھ کر راشدہ کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ تین دن بعد جب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر الحسن ہاؤس آئی تھی، اس کے بعد اس نے کاشانہ عالم کے کسی مکین سے سامنا نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ حنین کو بھی اپنے سامنے سے دفع ہو جانے کو کہہ دیا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لینے والی حنین نے ایک لفظ نہیں کہا تھا وہ اپنے دل میں اسجد کے لیے نفرت محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مائدہ! ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا"۔ وہ رو رہی تھیں۔

"آپ لوگوں کی شرمندگی میرے دکھوں کا مداوا نہیں بن سکتی، میرا کھویا مان، میری ذات کا غرور نہیں لوٹا سکتی، تو مجھے کیا ضرورت ایسی شرمندگی کی؟ مجھے نہیں چاہیے آپ کی شرمندگی اور نہیں کرنا مجھے کسی کو بھی معاف، آپ اور ماموں جان ہی میری بربادی کے ذمے دار ہیں، آپ لوگوں نے ہی جانتے بوجھتے میری شادی اس شخص سے کروائی جو مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، اور میں آپ کو اور ماموں جان کو کبھی معاف نہیں کروں گی"۔ شائستگی کی اعلیٰ مثال مائدہ اس وقت بدتمیزی کا نمونہ لگ رہی تھی، الحسن ہاؤس کے در و دیوار بھی اس کے تیز لہجے پر حیران تھے کہ وہ بھی تو اس کے نرم میٹھے لہجے کے عادی تھے۔

"تمیز سے بات کرو مائدہ! حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں، ہم تمہیں اپنے سے بڑوں کی توہین کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے"۔ وہ بیٹی کی حالت سمجھتی تھیں، اس کے باوجود سختی سے سرزنش کر گئی تھیں، راشدہ کا دھواں دھواں چہرہ انھیں شرمندہ کر گیا تھا اور وہ لوگ ان کے اور نوید عالم کے سبب ہی تو خاموش تھے کہ وہ کیسے بھی حالات میں بڑے بھائی اور بھابی کو شرمندہ یا بے عزت ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں، اسی لیے وہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اعلیٰ ظرفی دکھا گئے تھے۔ نم آنکھوں سے جب ہاتھ جوڑ کر نوید عالم نے ان دونوں میاں بیوی سے معافی مانگی تھی، تو یوسف الحسن بہت تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام گئے تھے، وہ نوید عالم کی بہت عزت کرتے تھے۔

"اس کو کچھ نہ کہو فریدہ! یہ حق بجانب ہے، مگر خدا گواہ ہے مائدہ بیٹا! میرے علم میں جب بات آئی تو بہت دیر ہو چکی تھی، عین شادی کے دنوں میں شادی کینسل ہو جانے کے ڈر سے خاموش رہی، سوچا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن کیا پتہ تھا کہ اسجد اتنا کم ظرف ثابت ہوگا، اس پر بھروسہ کیا اور اس نے ہماری پرورش کو ہی گالی بنا دیا، ہم نے مگر تمہارا برا کبھی نہیں چاہا تھا، نوید بھی تم سے شرمندہ ہیں انھوں نے تمہیں کبھی زرمین سے کم نہیں سمجھا، تمہارے بارے میں اچھا سوچتے سوچتے تمہارے ساتھ ہم سب ہی برا کر گئے، ہم سب تمہارے مجرم ہیں، ہو سکے تو معاف کر دینا اور اتنا یاد رکھنا کہ اب تم جو فیصلہ لو گی، میں تمہارے ساتھ ہوں گی، تمہارا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہوگا اور یہ شک کبھی دل میں نہ لانا کہ اسجد کی شادی کا ہم میں سے کسی کو علم تھا، ہم سب کو ہی اسجد نے بے وقوف بنایا، دھوکا دیا"۔ وہ بیٹے کی وجہ سے شرمندہ تھیں، اس

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، جنھیں وہ تڑپ کر تھام گئی تھی۔

"مامی! آپ کو میں نے کبھی مما سے کم نہیں سمجھا، تھوڑی دیر پہلے جو بکواس کی اس کے لیے مجھے معاف کر دیں، سارے قصے میں آپ سب کا کوئی قصور نہیں ہے"۔ وہ روتے ہوئے ان کے ہاتھ تھامے کہتی اپنی اچھی تربیت اور نیک فطرت کا ثبوت دے گئی تھی۔

"بیٹا تو وہ میرا ہی ہے ناں، اور اولاد والدین کا سر یوں ہی جھکا دیتی ہے، تربیت کو گالی بنا دیتی ہے"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

"بات صرف تربیت کی نہیں ہوتی، فطرت کی بھی ہوتی ہے بھابی! والدین تو اولاد کو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، مگر اولاد ماں باپ کی انگلی تھامے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھی بھٹک جائے تو والدین کا کیا قصور؟" فریدہ نے نم لہجے میں ان کی ڈھارس بندھائی تھی، انھیں شرمندگی کے حصار سے نکالنا چاہا تھا۔

"قصور جس کا ہے میں اس کو سزا دینے پر قادر نہیں ہوں، لیکن میں اسے معاف بھی نہیں کر سکتی ہوں، آپ کہہ دیجیے گا اسجد عالم سے جا کر کہ مجھے ڈائیورس چاہیے"۔ پتھرائے ہوئے انداز میں کہتی وہ ان دونوں پر ہی کوئی قیامت ڈھا گئی تھی۔

"مائدہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا!" وہ مائدہ کے زرد چہرے اور بے تاثر آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"جو آپ نے سنا مما! میں اس شخص کا حوالہ اپنی ذات سے مٹا دینا چاہتی ہوں، جس نے میری ذات کو تنکے سے بھی ہلکا کر دیا"۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔

"تم ابھی غصے میں ہو، بعد میں اس موضوع پر بات کریں گے کہ رشتے مذاق نہیں ہوتے، ہم اسجد کو برا کہہ رہے ہیں کہ اس نے برائی ثابت کی ہے، مگر اس سب کے باوجود ایسا فیصلہ نہ لو وہ جیسا بھی ہے تمہارا شوہر ہے"۔ وہ ان ماؤں میں سے نہ تھیں جو ذرا ذرا سی بات پر شہ دے کر اولاد کو سر چڑھاتی ہیں، معاملہ کچھ بھی تھا انھیں اس کا فیصلہ غلط لگا تھا، اس لیے پہلے ہی موڑ پر باور بھی کرا دیا تھا۔

"انھوں نے مجھے کبھی بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے شادی کے ڈیڑھ سال تک میری توہین کی، مجھے یہ باور کروایا کہ میں ان کی بیوی نہیں ہوں صرف اس گھر کی بہو ہوں، اور میں نے آپ سب کے لیے، آپ سب کو دکھ سے بچانے کے لیے، اپنا بھرم بچانے کو ہر تذلیل سہی، سب کچھ برداشت کر لیا، ہر الزام، ہر کڑوی بات سہہ گئی، مگر اب ایک لمحہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جنھوں نے میرے سچے جذبات کو پامال کر دیا، مجھے اب کسی کے لیے بھی کمپرومائز نہیں کرنا، مجھے ڈائیورس چاہیے"۔ وہ بہت مشکل سے کہہ رہی تھی کہ عزت نفس کی خاطر اس نے کیا کچھ سہا تھا، حرف شکایت لب سے ادا نہ کرنے والی آگے عذاب سے بچنے کو تفصیلات بیان کر رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے بھی تکلیف میں تھی، خود کو کسی سے نظر ملانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی، اس لیے ان دونوں سے نگاہ چرائے رو رہی تھی۔

"مائدہ...!" انھوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، چہرہ تھامنا چاہا تھا، مگر وہ فاصلے پر ہو گئی تھی۔

"مما! میں بہت تکلیف میں ہوں، لفظوں سے کھیلنا مجھے نہیں آتا، نہ ہی میں اظہار کے ہنر سے واقف ہوں، مگر آپ میری مثال اس پرندے کی سی سمجھ لیں، جس کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ قفس کے

پنجرے میں پڑا اڑنے کی آس میں پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے اور ایک دن آتا ہے کہ وہ اسی پنجرے میں اپنی جان دے دیتا ہے، مگر میں اس پنجرے میں پھر سے نہیں جانا چاہتی، وہاں جا کر میں پھڑ پھڑا بھی نہ سکوں گی اور آپ لوگ مجھ سے پھڑ پھڑانے، تڑپنے کا حق نہ چھینیں“۔ وہ شدت ضبط سے کانپ رہی تھی اپنی ذات کو سوالیہ نشان بنے دیکھ کر اذیت میں تھی۔

”اسجد عالم بے شک میرے شوہر ہیں، لیکن انھوں نے مجھے بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے صرف اپنی مردانگی کو ثابت کیا حق ہی حاصل کرنا ہوتا تو ڈیڑھ سالوں میں حاصل کر چکے ہوتے، انھوں نے اپنی توہین کا بدلہ لیا ہے مجھ سے اور بس.... اس وقت میری جگہ کوئی اور ہوتا تب بھی انھوں نے یہی کرنا تھا کیونکہ انھوں نے تو اپنی مردانگی کو سوالیہ نشان بننے سے بچانا تھا، اور خود کو بچاتے وہ مجھے ایک سوال بنا گئے اور میں پھڑ پھڑا تو سکتی ہوں مگر کچھ کر نہیں سکتی کہ وہ دنیا کی نظر میں میرے شوہر ہیں، مگر میرے احساسات، میرے جذبات کے وہ قاتل ہیں، انھوں نے مجھے بری طرح توڑ ڈالا ہے، انھوں نے اپنا حق، حق کی طرح حاصل نہیں کیا، زور زبردستی اپنی مردانگی کی دھاک بٹھائی ہے اور ایک ایسے شخص نے جس نے مجھے عزت نہ دی، قدم قدم پر مجھے ذلیل کیا، مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا، اس کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی، آپ لوگ مجھ پر ایک احسان کر دیں مجھے اس شخص سے طلاق دلوا دیں، میری روح مردہ ہو گئی ہے، یہ حوالہ مجھے جیتے جی مار رہا ہے، مجھے قفس سے رہائی دلوا دیں، مجھے تل تل مرنے سے بچا لیں“۔ وہ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی، اور ان دونوں کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، وہ ایک دوسرے سے نظر چرائے کھڑی تھیں کہ کچھ حقیقتیں بہت تلخ ہوتی ہیں، اندر تک مار دیتی ہیں، جیسے وہ مر گئی تھی اور وہ مرنے کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔

☆............☆............☆

”راحم! میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی، یہ میرا گھر ہے، آپ اسجد بھائی کے کیے کی سزا دینے کو مجھے میرے ہی گھر سے نہیں نکال سکتے“۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی، راحم آفس ٹیم کے ساتھ نیویارک گیا ہوا تھا، آج ہی اس کی واپسی ہوئی تھی، بات جیسے ہی اس کے علم میں آئی تھی اس کا سارا غصہ شاز مین پر اترا تھا، اور اس نے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا اور وہ حیرانگی سے نکلی تھی تو غصے و ناراضی سے انکاری ہو گئی تھی۔

”بکواس بند کرو، اور میرے سامنے سے چلی جاؤ شاز مین! ورنہ میں غصے میں کچھ کر بیٹھوں گا“۔ وہ چیخ کر بولا تھا۔

”پلیز راحم! اس سارے قصے میں میرا کیا قصور ہے، جو آپ میرے ساتھ ایسے پیش آ رہے ہیں؟“ شاز مین جان لٹانے والے شوہر کا ظالمانہ روپ دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔

”قصور تو تمہارا بھی ہے، دھوکا تو تم نے بھی دیا ہے کہ تم بھی جانتی ہو گی ناں کہ اسجد بھائی، مائدہ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں لیکن تم نے سچائی ہم سے چھپائی“۔ وہ اس کو غصے سے گھور رہا تھا۔

”مجھے یہ سب صرف ایک دن پہلے پتہ چلا تھا، مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شادی کر چکے ہیں“۔ اس نے روتے ہوئے صفائی دینا چاہی تھی۔

”ایک دن ہو یا ایک سال، جب سچائی پتہ چلی تھی، ہمیں جب ہی سب بتا دینا چاہیے تھا، مگر تم نے اپنے بھائی کا خیال کیا اور میری بہن کی تم سب نے مل کر زندگی تباہ کر دی، اور اب میں تمہیں ایک لمحے کے لیے اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا، ابھی اسی وقت اپنے گھر چلی جاؤ، تمہارا بھائی اس لڑکی کو چھوڑ دے گا، اور میری بہن کو عزت سے اپنے ساتھ لے جائے گا، اس کے بعد ہی تم اس گھر میں واپس آ سکو گی، ورنہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا“۔ وہ تڑپ کر اس کو دیکھنے لگی تھی، اس سے پہلے کہ کچھ کہتی کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔

”راحم! میری بات سنیں، مجھے گھر سے نہ نکالیں، میں مر جاؤں گی، اسجد بھائی کی غلطی کی سزا مجھے مت دیں پلیز، دروازہ کھولیں“۔ وہ روتے ہوئے کہتی دروازہ پیٹ رہی تھی، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، مگر مائدہ کا زرد چہرہ، اداس آنکھیں یاد آتے ہی وہ خود کو حق بجانب سمجھنے لگا تھا۔

”شاز مین! کیا ہوا ہے؟“ ارحم کہیں جانے کے ارادے سے اپنے کمرے سے نکلا تھا اس کو دیکھ کر اس تک چلا آیا تھا۔

”ارحم بھیا! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں“۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

”وہ پاگل ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، مگر تم پریشان نہ ہو، ہم سب کے ہوتے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی“۔ اس نے روتی ہوئی شاز مین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی و شفقت سے اسے دلاسا دیا تھا۔

”وہ بہت غصے میں ہیں ارحم بھیا! مجھے طلاق دینے کی بات کر رہے ہیں“۔ وہ سہارا پا کر بکھری تھی اور وہ تو دھک سے ہی رہ گیا تھا، غصے سے کھولتے ہوئے اس نے دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

”راحم! دروازہ کھولو“۔ وہ جو سمجھ رہا تھا شاز مین ہے ارحم کی آواز سن کر لمحہ ضائع کیے بنا دروازہ کھول گیا تھا۔

”کیا تماشا لگایا ہوا ہے تم نے، کہا تھا ناں میں نے تم سے کہ اس سارے قصے سے تم شاز مین کو دور رکھنا، تو پھر کیوں اسے گھسیٹ رہے ہو؟“ وہ اس پر بری طرح برس رہا تھا حقیقت جان کر بھی اس نے یہی بکواس کی تھی اور اس نے راحم کو بہت نرمی و پیار سے غصہ نہ کرنے اور رشتوں کی اہمیت سمجھائی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کو بات سمجھ آ گئی، مگر وہ غلطی پر تھا کہ جو وہ اس سے کہہ کر آیا تھا، کمرے میں آ کر اسی پر عمل کرتے ہوئے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا۔

”لینا دینا ہو یا نہیں مگر میں فیصلہ کر چکا ہوں، اپنی بہن کو دیکھیں گے تب انھیں پتہ چلے گا کہ ایک بہن کی بربادی ایک بھائی کو کتنا بے سکون کر دیتی ہے، اور جب وہ میری بہن کو کوئی خوشی نہ دے سکے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو ان کی بہن کو خوش رکھوں؟“ وہ ارحم کے احترام میں آواز نیچی کر کے بول رہا تھا، وگرنہ غصہ تو اتنا تھا کہ بس چلتا تو دنیا کو آگ لگا دیتا۔

”تم اسجد کی بہن کو نہیں اپنی بیوی کا خیال کرتے ہوئے اس کو خوش رکھتے رہے ہو اور آگے بھی رکھو گے“۔ اس کو غصے سے گھورا تھا۔

”میں فیصلہ لے چکا ہوں بھائی! جس سے ایک انچ نہیں ہٹوں گا“۔ وہ اس کے غصے سے خائف ہو کر بولا تھا۔

”پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو کہ کسی کی برائی کو اپنا لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ غصے میں اس کی حالت تو فراموش نہ کرو کہ اللہ نہ کرے کسی قسم کی اونچ نیچ ہو گئی تو کون ذمے دار ہو گا؟“ وہ اب اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

غزنوی لائبریری اینڈ فریمنگ پوائنٹ
سائونڈ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے
نئے اور پرانے ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے
دوکان نمبر 13 صدر بازار ہری پور

افشاں علی

افسانہ

زندگی پانی کا بلبلہ

''ارے بھئی جلدی کرو، غیروں کی طرح کے ٹیم کے ٹیم (کیا ٹائم کے ٹائم) جانے کا ارادہ ہے تھارا (تمہارا) رشتے دار ہیں تو جلدی جانا چاہیے، پر تھارا لوگاں (تم لوگوں) کی تو تیاری ہی ختم ہونے کا نام نا (نہیں) لے رہی ہے''۔ صادق حسین صاحب دو مرتبہ باہر تک چکر لگا آئے، پر ان کے اہل خانہ کی تیاری اب تک مکمل نہ ہو پائی تھی، تبھی وہ گھر والوں کو آوازیں دے رہے تھے۔

''ابا! ہم شادی میں جا رہے ہیں تو تیار تو ہوں گے ناں، وہاں تو سب ایسے ایسے فیشن کرتی ہیں کہ اللہ کی پناہ''۔ صائقہ جو تیار ہو چکی تھی، اس نے اپنے ابا کو جواب دیا۔

''بیٹا! جتنی چادر ہو اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں، آج کل کے فیشن میں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے''۔

''ابا! میں بھی تیار ہو گئی''۔ صائقہ سے چھوٹی صائمہ بھی تیار ہو کر اپنے ابا کے پاس باہر صحن میں چلی آئی۔

''چلو شکر ہے، اچھا اب تم لوگ جلدی سے چادر پہن لو اور خلیل انکل کے گھر کی طرف چلو، میں اتنے تھاری ماں نے دیکھوں (تمہاری امی کو دیکھوں)''۔ وہ بیٹیوں کو شادی والے گھر کی طرف جانے کا کہہ کر اوپر بنے کی جانب بڑھے۔

''اے صائمہ کی ماں! اب آ بھی جا تھاری (تمہاری) ایک بیٹی کی خیر سے شادی ہو چکی ہے، باقی تے (تو) ابھی چھوٹی ہیں، پھر اتنی تیاری میں ٹیم (ٹائم) کیوں؟'' سلیمہ بیگم کے اتنی دیر میں تیار ہونے پر صادق صاحب نے چوٹ کی۔

''ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونے کے سوا تنے (تمہیں) کوئی اور کام ہے کے؟ (کیا) ابھی سے یہ حال ہے، ابھی تو اگلے ہفتے صائبہ بھی آ رہی ہے، کاکے (بچے) کا چھوچھک لینے واسطے، دسیوں چکر لگے ہیں بازار کے مگر تھارے (تمہارے) میں صبر کہاں''۔ چادر کو اردگرد لپیٹتے ہوئے سلیمہ بیگم بولیں، اپنی بڑی بیٹی اور اس کے ننھے منے سے بیٹے کا ذکر سن کر صادق صاحب کا غصہ اڑن چھو ہو گیا، اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆ ☆ ☆

خلیل صاحب نے اپنے گھر کی پچھلی گلی جو کہ کافی صاف ستھری اور کشادہ تھی، اس کے دونوں اطراف شامیانے لگا کر اسٹیج، کرسیاں اور میزیں رکھ کر ہال کا سا رنگ دینے کی کوشش

نائلہ طارق

قسط نمبر 16۔

سلسلے وار ناول

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

پتہ نہیں کیوں آج گھٹن بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی، دن کی روشنی میں ان کے اندر پھیلے اندھیرے ان کے اندر ہی سمٹے رہتے تھے، مگر ہر رات کے آخری پہر میں یہ اندھیرے آزاد ہو کر رات کی تاریکی میں مدغم ہو کر ان کے اردگرد ہر جگہ پھیل جاتے تھے، اور اس اندھیرے میں سوائے ایک چہرے کے وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

قریب سوئے ہوئے فائز کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹا کر انھوں نے احتیاط سے اس کے قریب رکھا تھا، اور اس گھٹن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں وہ کمرے سے باہر نکل آئے تھے مگر.... نجات کہیں نہیں تھی، وہ جانتے تھے، لاؤنج میں رکتے ہوئے چند لمحوں تک اس کمرے کی جانب دیکھتے رہے تھے جس کا دروازہ مکمل بند تھا، ان کا دل کسی آہنی شکنجے میں جکڑنے لگا تھا، ایک ان دیکھی طاقت آج ان پر اس طرح غالب ہوتی انھیں اس کمرے تک لے گئی تھی کہ انھیں خود پتہ نہیں چلا تھا، دروازہ کھولتے ہوئے ان کے ہاتھ کی لرزش نمایاں تھی، کمرے کے اندر بھی وہی تاریکی تھی جو اس وقت ان کی آنکھوں میں تھی، لائٹ آن کرتے ہی کمرہ روشن ہو گیا تھا، مگر پھر بھی ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا یا پھر جو وہ دیکھنا چاہتے تھے اس کا وجود یہاں تھا ہی نہیں، دل کا اضطراب ان کی جلتی آنکھوں میں ابھر آیا تھا، ان کی آنکھوں نے کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جسے

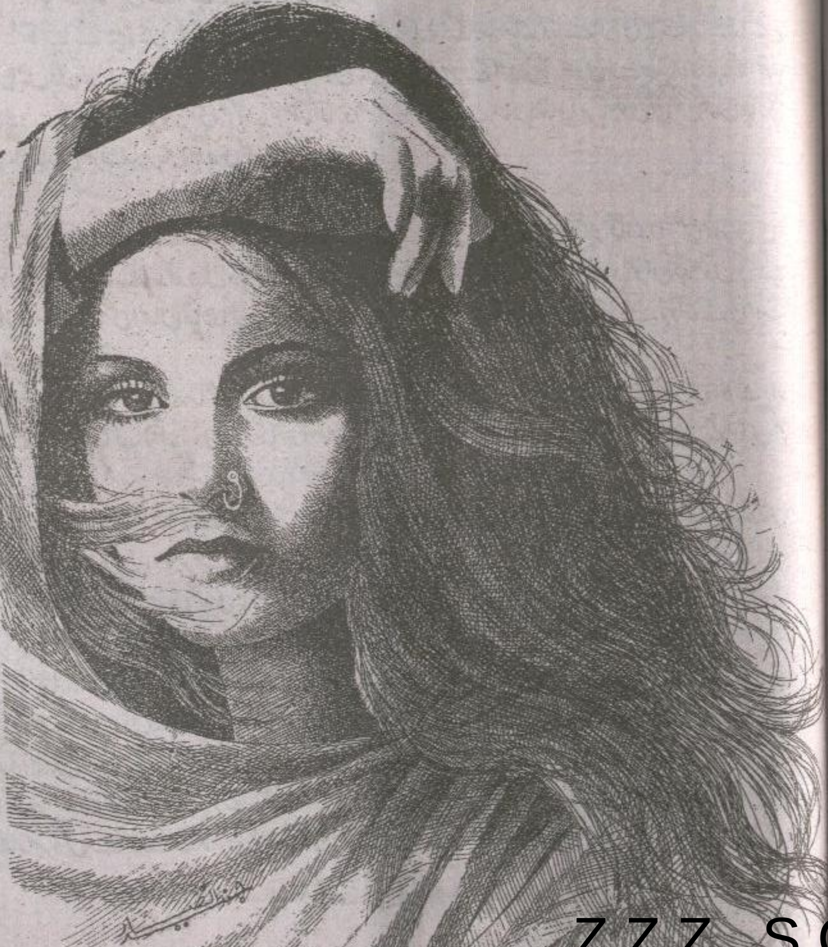

چھو کر وہ اپنے اضطراب کو کچھ کم کر سکیں لیکن ایسا کچھ بھی تو نہیں چھوڑا تھا اس نے، اپنے پیچھے کوئی نشان تک نہیں، مگر شاید سچ یہ تھا کہ انھوں نے خود اس کے نقش ان در و دیوار سے اس گھر کے ایک ایک کونے سے کھرچ ڈالے تھے، اگر کچھ باقی تھا تو صرف وہ زخم جو وہ ان کے دل پر لگا گئی تھی۔

ایسے زخم جن کو اب دنیا کی کوئی خوشی مندمل نہیں کر سکتی تھی، ان زخموں کو آہستہ آہستہ اب ان کے دل کا ناسور بن جانا تھا، دل کی اذیت بڑھتی جا رہی تھی، تھکے تھکے قدموں کے ساتھ بیڈ کے قریب جاتے ہوئے انھوں نے جانے کیوں بے شکن چادر پر ہاتھ پھیرنا چاہا تھا، مگر پھر تھکے انداز میں ہی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئے تھے، ان کے کندھوں پر ناقابل برداشت بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، ایک چیختی آواز ان کے سینے کا درد بڑھا رہی تھی۔

”شرم آتی ہے مجھے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے“۔ کسی نے ان کی پشت پر کوڑا مارا تھا۔

”میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں“۔

”نامحرم ہیں آپ میرے لیے“۔

”کیا منہ دکھائیں گے آپ میرے ماں باپ کو؟“

”آپ کے سینے میں کچھ نہیں سوائے پتھروں کے“۔ ایک کے بعد ایک کوڑے ان کی پشت پر لگتے انھیں زمین میں دفن کر رہے تھے، درد سے پھٹتا سر ہاتھوں میں گراتے ہوئے ان کی آنکھوں سے سلگتا لاوا بہہ نکلا تھا، اس لاوے کی دہک وہ آسمان بھی کم نہیں کر سکتا تھا جو دھواں دھار پانی برسا رہا تھا، باہر بادلوں کی گھن گرج جاری تھی، مگر بارش صرف باہر نہیں ہو رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

ٹیرس کے چوپٹ کھلے دروازے سے زوردار کڑاکے سے چمکتی بجلی کی روشنی وقتاً فوقتاً اندر داخل ہو رہی تھی، آسمان گرج چمک کے ساتھ برس رہا تھا مگر اس کی گہری نیند میں کوئی خلل نہیں آیا تھا، وہ تو ان قدموں کی بے آواز حرکت سے بھی انجان تھا جو اس کے سرہانے سے گزرتے آہستہ آہستہ ٹیرس کے کھلے دروازے کی سمت بڑھتے جا رہے تھے۔

یکدم کھلتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنے وجود کو تیز بارش میں بھیگتا پایا تھا۔ چار سمت تاریکی، کاٹ دار ہوا کے جھکڑ، خوفناک چنگھاڑوں کے ساتھ آسمان پر بجلی چمکی تھی، اور اس بھیانک منظر نے اس کے حواس گم کر دیے تھے۔

بلند اذیت ناک چیخوں نے عثمان کو ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کیا تھا، ایک پل کے لیے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ سرعت سے ٹیرس کی طرف دوڑا تھا، دروازے کے قریب وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا تھا، سامنے ہی گہری تاریکی میں برستی بارش میں وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھی، اس کی دلخراش چیخوں نے عثمان کو دہلا کر رکھ دیا۔

”بیلا....!“ بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے وہ اس کی سمت گیا تھا اور اگلے ہی پل اس کے لرزتے کانپتے وجود کو بازوؤں کے گھیرے میں لیتا برق رفتاری سے واپس اندر لے آیا تھا، یہ کوئی خوف تھا یا کچھ اور بلند آواز میں روتی چیختی وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتی بے قابو ہو رہی تھی، عثمان کے لیے مشکل ہو رہا تھا اسے سنبھالنا لہٰذا اس کے روتے مچلتے وجود کو مضبوطی سے سینے میں چھپائے وہ اس کے شانت ہونے کا انتظار صبر و تحمل سے کرنے لگا تھا، وہ شانت ہوئی تھی یا نہیں مگر اس کی یکدم بند ہوتی چیخوں اور بے جان غافل ہوتے وجود نے عثمان کے ہوش ضرور اڑا دیے تھے۔

بھیگے تر بتر لباس میں اس کا وجود برف کی طرح یخ اور منجمد ہو چکا تھا، لٹھے کی مانند سفید چہرہ نیلا پڑ رہا تھا، اس کے بے سدھ وجود کو وہیں صوفے پر لٹاتے ہوئے عثمان نے دو کمبل اس پر پھیلائے تھے اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے سیل فون کی طرف بڑھا تھا، اس لمحے فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں اور عثمان کو یقین تھا کہ خرمن بیدار ہو چکی ہو گی۔

”عثمان! سب خیریت تو ہے؟“ خرمن کی گھبرائی آواز نے اس کا ضبط ختم کر دیا تھا۔

”اگر بیلا کو کچھ ہو گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا اور اس شخص کو تو قیامت تک نہیں جس نے میری زندگی کو درہم برہم کر رکھا ہے“۔ شدید اشتعال میں وہ بھڑک اٹھا تھا۔

”ہوش میں آؤ عثمان! مجھے بتاؤ بیلا کو کیا ہوا ہے؟“ خرمن دہل کر چیخ اٹھی تھی۔

”وہ ٹھیک نہیں، یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے، تم کسی طرح یہاں آ جاؤ، ابھی اسی وقت ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا، پلیز آ جاؤ“۔ عثمان کے ٹوٹے بکھرے لہجے نے خرمن کا دل مٹھی میں جکڑا تھا۔

”پریشان مت ہو، ہمت رکھو، میں بس ابھی نکل رہی ہوں عارش کے ساتھ“۔ خرمن نے عجلت میں کہہ کر لائن ڈسکنیکٹ کی تھی، گہری سانس لیتے ہوئے وہ دوبارہ اس کی طرف آیا تھا جو خود آگ میں جلتی اسے بھی انگاروں پر دھکیل گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

پیشانی پر محسوس ہوتے لمس پر اس نے ذرا آنکھیں کھول کر خود پر جھکے خرمن کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”بخار اب بہت کم ہو چکا ہے، آرام سے سو جاؤ، میں یہیں ہوں تمہارے پاس“۔ خرمن کے مدھم لہجے پر اس کی آنکھیں بند ہوتی گئی تھیں، اس پر کمبل ٹھیک کرتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور پھر رک کر اسے دیکھا تھا جو صوفے پر نیم دراز کسی سوچ میں غرق تھا۔

”عثمان...!“ خرمن کی آواز پر وہ چونک کر متوجہ ہوتا سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

”کچن میں ہی آؤ گے یا یہیں ناشتہ لے آؤں؟“

”نہیں، میں صرف چائے لوں گا“۔ سنجیدگی سے بولتا وہ صوفے سے اٹھا تھا۔

”انسٹیٹیوٹ جانے کی ضرورت نہیں ہے، عارش تاکید کر گیا ہے لہٰذا پہلے اپنی نیند پوری کرو“۔ چائے کا مگ اس کے سامنے رکھتی وہ اس کے سامنے ٹیبل کے گرد بیٹھ گئی تھی، جواباً عثمان بس خاموشی سے مگ میں سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتا رہا تھا۔

”مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی، جب تم خود کو اور بیلا کو اس شخص سے الگ کر چکے ہو تو اس شخص کو اپنے معاملات میں کیوں گھسیٹ لاتے ہو؟“ خرمن کے سنجیدہ لہجے پر اس کے تاثرات تن گئے تھے۔

”میں نے اس شخص سے بیلا کو کبھی الگ نہیں کرنا چاہا تھا، اس شخص نے خود بیلا کو اپنی زندگی، اپنے گھر سے نکالا تھا“۔ تلخ لہجے میں وہ یاد دلا رہا تھا۔

”انھوں نے جو کیا سو کیا مگر تم نے کیا کیا ان کے ساتھ، کبھی اس بارے میں سوچا تم نے؟ جو من مانی تم دونوں نے کی اس کے بعد انھوں نے جو کیا اگر تم ان کی جگہ ہوتے تو تم بھی وہی سب کرتے“۔

”مجھے من مانی پر مجبور کس نے کیا تھا؟“ وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ ہی بولا تھا۔

”میں تو کسی بھی وقت دھاوا بول سکتا ہوں مگر آپ تو میرے انوائٹ کرنے کے باوجود نہیں آئے میرا گھر میلوں دور تو ہے نہیں“۔

”اب تم مجھے شرمندہ مت کرو، میں ضرور آؤں گا اور جلد ہی“۔

”ٹھیک ہے، میں یقین کر لیتا ہوں، اب آپ سو جائیں، مجھے بھائی صاحب کی آواز آ رہی ہے، کافی بنوائے بغیر جان نہیں چھوڑیں گے وہ“۔ ایبک کے عجلت میں کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیا تھا، فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عارش نے اسے دیکھا تھا جو جاء نماز تہہ کرتی تیز نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”آخری بار کہہ رہی ہوں، آئندہ کبھی میری نماز یا دعا میں خلل مت ڈالنا“۔ وہ ناگوار لہجے میں تاکید کر رہی تھی۔

”میں کہاں خلل ڈالتا ہوں، میں تو تمہیں یاد دلاتا ہوں کہ اللہ نے اپنا ایک حسین ترین بندہ تمہارے حوالے کر دیا ہے، کچھ وقت اسے بھی دے دیا کرو“۔ مسکراتی نظروں سے وہ اسے دیکھتا ہوا بولا تھا، جو لائٹ آف کرتی اپنی جگہ پر آ گئی تھی۔

”مرد، اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوتا ہے، اسی لیے عورت کے لیے کوفت کا باعث ہوتا ہے“۔ تکیہ درست کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

”سنہری حروف سے لکھا جائے گا تمہارا یہ قول“۔ عارش کے خشمگیں لہجے پر وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

”کس کا فون تھا؟“ تکیے پر سر رکھتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

”میرا دوست تھا“۔ مختصراً جواب دیتے ہوئے عارش نے کمبل اس پر پھیلایا تھا۔

”تمہارے کسی دوست کا فون 12 بجنے کے بعد نہیں آتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ تم اس وقت سو رہے ہوتے ہو، کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے جو اس وقت کال کی؟“ خرمن کے تشویش زدہ لہجے پر عارش نے ایک نظر پیشانی تک دوپٹے میں چھپے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”نہیں، کوئی ایسی بات نہیں۔ بس ایسے ہی خیر خیریت دریافت کرنے کے لیے اس نے کال کی تھی“۔ عارش کا جواب سن کر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

”عارش! تمہیں ٹھیک لگ رہا ہے وہ جو عثمان نے کہا تھا؟“ خرمن کے سوال پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”بیلا پتہ نہیں کیا سوچے گی، مگر عثمان تو پوری طرح سنجیدہ ہے اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کے لیے“۔

”میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، مان نے جو کچھ بتایا ہے اس کے بعد کچھ کہا نہیں جا سکتا، بیلا کے لیے وہ زیادہ بہتر فیصلہ لے سکتا ہے، اس نے کچھ دیکھا ہے، محسوس کیا ہے تب ہی تو یہ ارادہ کیا ہے“۔ وہ سنجیدگی سے رائے دے رہا تھا۔

”اسے لگتا ہے کہ بیلا اپنے دل کی بات اس لیے عیاں نہیں کرتی کہ کہیں عثمان کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے، وہ سمجھتا ہے کہ بیلا کو کونسلنگ کی، کتھارسس کی ضرورت ہے، ورنہ وہ اسی طرح اندر ہی اندر گھٹتی رہے گی“۔ وہ کچھ افسردگی سے بول رہی تھی، مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا بیلا کی ذہنی حالت کا، وہ تو مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتی، وہ مجھ سے تو کھل کر ہر بات کر سکتی ہے“۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ عارش نے اس سے پوچھا تھا۔

”مجھے لگتا ہے کہ کسی سائیکاٹرسٹ سے زیادہ بیلا کو عثمان کی ضرورت ہے، بلکہ ان دونوں کو ہی آپس میں ہر معاملے پر بات کرنے کی ضرورت ہے، وہ دونوں ایک دوسرے کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور سنبھال بھی سکتے ہیں“۔ وہ بولی تھی۔

”تم نے مان سے کچھ کہا؟“

”ابھی تو میں نے اسے روک دیا ہے کہ بیلا کی طبیعت مکمل بہتر ہونے تک اپنا ارادہ اس پر ظاہر نہ کرے، وقت اور موقع دیکھ کر کوئی قدم اٹھائے، اب میں اسے حکم تو نہیں دے سکتی کہ وہ بیلا کو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس نہ لے جائے، کچھ بھی ہے آخر وہ اس کی بیوی ہے اور میں ایک حد کے اندر رہ کر ہی ان کے معاملات میں دخل اندازی کر سکتی ہوں“۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

”میں کہوں گا مان سے کہ اگر بیلا اس کی بات مان کر سائیکاٹرسٹ سے ملنے کے لیے تیار ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے ساتھ زبردستی نہ کرے“۔ عارش کے کہنے پر اس نے بس تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

☆............☆............☆

سٹی ہال میں بک فیسٹیول شروع ہو چکا تھا، فیسٹیول کے پہلے دن تو وہ وقت نہیں نکال سکی تھی، مگر آج دوسرے دن وہ یہاں موجود تھی، ہر اسٹال پر بہت نایاب اور ہر موضوع سے متعلق کتابوں کا خزانہ موجود تھا، اسے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کون سی کتاب خریدے، اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ تنہا آنے کے بجائے خرمن کو ہی ساتھ لے آتی، اس سے مشورہ تو وہ لے سکتی تھی۔

یوں ہی کتابوں کے سرورق پر نظر ڈالتے ہوئے اسے اپنے چہرے پر کسی چیز کا احساس ہوا تھا، اپنے اردگرد نظر ڈالنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کی دھڑکنیں رک سی گئی تھیں، کافی فاصلہ ہونے کے باوجود وہ اسے پہچان گئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک کتاب موجود تھی، منیزہ کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر وہ فوراً ہی اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، جبکہ منیزہ اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکی تھی، جو اپنی پر وقار شخصیت کے ساتھ لوگوں کے اس ہجوم میں بھی نمایاں اور الگ دکھائی دے رہا تھا، منیزہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے سیاہ رنگ اس شخص کے لیے بنا ہے، آج دوسری بار بھی وہ اسے سیاہ رنگ میں دکھائی دے رہا تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ آج اس نے بلیو جینز کے ساتھ بلیک شرٹ زیب تن کر رکھی تھی جس کی سلیوس کلائیوں سے کچھ اوپر تک فولڈ تھیں، منیزہ نے دیکھا وہ اسٹال پر کھڑے سیلز مین سے کوئی بات کر رہا تھا، اپنی توجہ اس جانب سے ہٹا کر وہ کچھ فاصلے پر موجود دوسرے اسٹال کی طرف بڑھ گئی تھی جہاں نسبتاً رش کم تھا، وہاں کتابوں پر نظر دوڑاتے ہوئے اسے چند لمحے گزرے تھے جب عقب سے کسی کے سلام کرنے کی بھاری گمبھیر سی آواز پر وہ جس طرح چونک کر پلٹی تھی، سامنے کھڑا شخص بھی کچھ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

”آئی ایم سوری، میں نے شاید ڈسٹرب کر دیا، یقیناً آپ نے مجھے نہیں پہچانا“۔ اس کی حیرانگی سے پھیلی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولا تھا، حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ بھی انجان بننے کی کوشش کر چکا تھا، مگر پھر جانے کیا سوچ کر اس تک پہنچ گیا تھا۔

''نہیں، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، آپ انسٹیٹیوٹ کے وزٹ پر آئے تھے''۔ اپنی گڑبڑاہٹ چھپانے کی کوشش کرتی وہ بولی تھی۔

''آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے''۔ ہارون کے سنجیدہ لہجے پر منیزہ نے اسے دیکھا تھا جبکہ وہ مسکراتی نظریں اس کے حیران چہرے سے ہٹاتا اسٹال پر سجیں کتابوں کی جانب متوجہ ہوگیا تھا، کچھ عجیب سا منیزہ کو محسوس ہوا تھا لہٰذا لاتعلقی کے ساتھ وہ بھی قدرے فاصلے پر جاتی ایک کتاب اٹھا چکی تھی، مگر چند لمحوں بعد دوبارہ دھڑکنوں میں اتر جانے والی پر رعب آواز اس کی سماعتوں کا انتظار ختم کرگئی تھی۔

''یہاں کتابوں کے بہت زبردست ذخیرے موجود ہیں، میری طرح شاید آپ بھی کنفیوژ ہیں کہ کون سی لیں اور کون سی چھوڑ دیں''۔ وہ بولا تھا، جبکہ اس کے لبوں پر موجود ہلکی سی مسکراہٹ نے منیزہ کے دل و دماغ کو جکڑ لیا تھا۔

''جی.... کچھ ایسا ہی ہے''۔ بمشکل مسکرانے کی کوشش کرتی وہ اس کی گہری آنکھوں سے نگاہ چرا گئی تھی۔

''اس کتاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' ہارون نے اچانک ایک کتاب اس کی سمت بڑھائی تھی جسے لیتے ہوئے منیزہ نے ایک نظر کتاب کے سرورق پر ڈالی تھی اور دوسری نگاہ ہارون پر اگلے ہی پل وہ اپنی مسکراہٹ کو چھپا نہیں سکی تھی۔

''میں کوئی رائے نہیں دے سکتی کیونکہ پوئٹری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی''۔

''کمال کا اتفاق ہے مجھے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے''۔ ہارون نے فوراً ہی کتاب اس سے لے کر واپس اس کی جگہ پر رکھی تھی اور پھر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔

''مطالعے سے مجھے دلچسپی ہے، کتابیں جمع کرنے کا شوق بھی ہے مگر شاعری میرے سر سے گزر جاتی ہے، آپ مجھے مکمل طور پر بدذوق مت سمجھیے گا''۔ منیزہ نے کہا تھا۔

''میں کسی بھی طور سے آپ کو بدذوق نہیں سمجھ سکتا، آپ کی اس جگہ موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ سمیت یہاں کوئی بھی شخص بدذوق نہیں ہے''۔ بغور اس کے سادہ چہرے کو دیکھتا وہ بولا تھا۔

''ویسے آپ نے عارش کے انسٹیٹیوٹ کو کب جوائن کیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''کچھ عرصہ پہلے ہی اس کی دھمکیوں کے بعد، وہ میرے کزن بھی ہیں''۔ منیزہ نے بتایا تھا۔

''میں یقین نہیں کرسکتا کہ عارش جیسا سوفٹ نیچر بندہ کسی خاتون کو دھمکی بھی دے سکتا ہے''۔

''یقین کریں وہ دیتا ہے''۔ وہ دھیرے سے ہنستی بولی تھی۔

''ابھی ابھی مجھے الہام ہوا ہے کہ آپ کا نام ''ایم'' سے شروع ہوتا ہے۔ ہارون کے اچانک کہنے پر وہ چونکی تھی مگر پھر بے اختیار ہی اس نے اپنی گردن میں موجود سنہری چین میں چمکتے اپنے نام کے پہلے ایلفابیٹ کو چھوا تھا مگر بس مسکرا کر خاموش رہی تھی۔

''آج آپ انسٹیٹیوٹ نہیں گئیں؟'' اس کی خاموشی پر ہارون نے پوچھا تھا۔

''میں انسٹیٹیوٹ سے سیدھا یہیں آئی ہوں مگر ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود ابھی تک کوئی کتاب نہیں لے سکی''۔ منیزہ نے کچھ مایوسی سے کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں، کتابیں لینے میں، میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں، اس توقع کے ساتھ کہ آپ بھی میری کچھ مدد اس معاملے میں کریں گی''۔ ہارون نے کہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کا سیل فون چیخ اٹھا تھا،

ہمدرد کا
شربتِ فولاد
SHARBAT FAULAD
Hamdard

ہمدرد کا شربتِ فولاد

بوند بوند میں فولاد
مضبوط رکھے جیسے فولاد

بچوں بڑوں میں سبھی کے لئے نہایت مفید و موثر

ذہنی و جسمانی طاقت کے لئے ہمدرد کا شربتِ فولاد جس کی بوند بوند میں ہے فولاد کی طاقت۔ خاندان کے ہر فرد کے لئے شربتِ فولاد جو رکھے دن بھر چاق و چوبند۔

- بڑھتی عمر کے لئے
- بیماری کے بعد کمزوری دور کرے
- زمانہ حمل میں موثر

ہمدرد

ت سے شولڈر بیگ میں سے فون نکال کر اس نے کال ریسیو کی تھی جبکہ ہارون دوبارہ کتابوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”آئی ایم سوری، مجھے جانا ہوگا، میرے بھائی باہر میرا انتظار کر رہے ہیں“۔ منیزہ کی آواز پر وہ اس کی رف متوجہ ہوا تھا۔

”کل آپ اسی وقت یہاں آئیں گی؟“ ہارون کے سوال پر وہ حیران ہوئی تھی۔

”دراصل میں بھی اب جاؤں گا، یہاں آنے کا جو مقصد تھا وہ نہ آپ کا پورا ہوا ہے اور نہ میرا، مجھے تو ضرورت ہوگی کل آپ کی مدد کی“۔ اس کی حیران نظروں پر وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا تھا۔

”کل شاید میں وقت نہ نکال سکوں“۔ منیزہ تذبذب میں مبتلا ہوئی تھی۔

”پرسوں...؟“ سوال آیا تھا۔

”جی... پرسوں شاید میں آؤں“۔

”یقیناً کہتیں تو زیادہ بہتر ہوتا، لیکن پھر بھی میں پرسوں شام یہاں آپ کا انتظار کروں گا، آیئے چلتے ہیں“۔ قطعی لہجے میں بات ختم کرتا وہ اسے چلنے کا اشارہ دے گیا تھا، اس سے ایک قدم پیچھے چلتے ہوئے وہ عجیب گومگوں کی سی کیفیت میں تھی، اس کے لیے اب بھی یقین کرنا مشکل تھا کہ چند قدم آگے چلتا یہ سروقد شاندار شخص اب اجنبی نہیں رہا ہے، اس مختصر سی بات چیت سے پہلے وہ یہ یقین کر چکی تھی کہ کشادہ گہری آنکھوں اور اونچی پتلی کھڑی ناک رکھنے والا یہ شخص کافی مغرور اور خود پسند ہے، اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ کوئی قابل گرفت بات نہ ہوتی، اس کی شخصیت اس کی وجاہت یہ حق دیتی تھی کہ وہ غرور رکھتا، منیزہ جانتی تھی کہ وہ چہرہ شناس نہیں ہے اور آج یہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی، سر اٹھائے اس کے سیاہ خم دار بالوں کے چھوٹے چھوٹے چمکتے اسٹیپس کو تکتی وہ کسی ٹرانس میں اس کے پیچھے چل رہی تھی جب ہارون نے یکدم ہی گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا چوری پکڑے جانے پر منیزہ کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا تھا۔

”آپ فکر مت کریں، گیٹ تک پہنچ کر ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جائیں گے تاکہ آپ کے بھائی صاحب کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں“۔ مسکراتی نظروں سے ہارون نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا جو نظر تک نہیں اٹھا سکی تھی، دھڑکتے دل کو سنبھالتی جب وہ گیٹ سے باہر نکلی تو اس نے دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ جس کے قدموں کے نقش پر قدم رکھتی وہ ہال سے نکلی تھی وہ شخص اب کس راستے پر جا رہا ہے، اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ شخص اس کی دھڑکنوں کے راستے میں ایستادہ ہو کر مسلسل اپنی قربت کا احساس دلا رہا تھا۔

☆..........☆..........☆

ویک اینڈ کا یہ لیٹ نائٹ ہپ ہاپ فارمیٹ پر مبنی شو توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوا تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تین دن سے ویک اینڈ کے اس شو کے پرومو چلائے جا رہے تھے، لسنرز کو ایکسائیٹڈ کرنے کے لیے جبکہ ہارون اپنے پروگرام میں خاص طور پر اس نئے شو کی تشہیر کرتا رہا تھا، خرمن کا نام آواز کی دنیا میں داخل ہو کر روشن ہو رہا تھا، عثمان کا یہ پہلا شو تھا مگر سامعین کے لیے اس کا نام بھی نیا نہیں تھا، رات کے شوز میں عثمان جن پریزینٹرز کے ساتھ ہوتا تھا، ان کو کسی نہ کسی مدد کے لیے عثمان کا نام لینا پڑتا تھا، ان ڈائریکٹلی عثمان پروگرام میں شامل رہتا تھا، اکثر جب کالرز اپنے پریزینٹرز سے آف ایئر بات کرنے کی خواہش ظاہر کرتے تو عثمان ہی ان کو ہولڈ پر لیتا تھا، ایسا زیادہ تر ہارون کے شو میں ہوتا تھا بعد میں وہ ہارون کا خوب ریکارڈ لگاتا تھا کہ صرف

نظرِ بد کی حقیقت

نظرِ بد کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ نے فرمایا : اَلْعَیْنُ حَقٌّ

ترجمہ: نظر کا لگ جانا برحق ہے (صحیح بخاری)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نظرِ بد سے بچنے کیلئے تعویذ استعمال کیا کریں۔ (بخاری مسلم)
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ زرد تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اس کے لئے دعا تعویذ کراؤ اسے نظر بد لگی ہے۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے (اسلام لانے کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے تعویذات مجھے پیش کرو، اگر ان میں شرک نہ ہو تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

علاج

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد سے بچنے کے لئے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے۔ مثلاً فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو بَارَكَ اللّٰهُ کہو۔ (مشکوٰۃ)
- جس کی نظر لگے، اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔ (مشکوٰۃ)
- مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (سورۂ کہف) پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔
- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی نظر کیلئے بطور دم پڑھنا چاہیئے۔ (صحیح ترمذی)

الہدیٰ انٹرنیشنل انسٹیٹوٹ آف اسلامک ایجوکیشن فار ویمن

اسلام آباد: 58-ت، علم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد، پاکستان، فون: 051-2261759 فیکس: 051-2264773 ویب سائٹ www.alhudapk.com

کراچی: میٹرو چورنگ -7 طور - نزد تین تلوار چوک - کلفٹن کراچی پاکستان - فون: 021-5872923-5896704 فیکس: 021-5383560

جھانکنے لگا تھا، ایک پل اس نے میری آنکھوں میں جھانکا پھر اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

”جواب دو مجھے، کیا یہ تڑپ یکطرفہ ہے، کیا محبت کی اس راہ کا میں تنہا مسافر ہوں؟“ میرے پوچھنے پر وہ خاموش رہی۔

”بولو ناں!“ میں نے اس کو جھٹکا دیا، وہ مجھ پر آ گری، میں نے اس کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔

”جواب تو دے دو!“ میں نے اپنا سر اس کے بالوں میں چھپا لیا۔

”عمارہ! کہاں رہ گئی ہو؟“ اماں کی آواز پر وہ ایک دم مجھ سے علیحدہ ہوئی، لیکن میں نے اس کا بازو ابھی بھی پکڑا ہوا تھا۔

”چھوڑو... چچی بلا رہی ہیں“۔ اس نے اپنا بازو چھڑانے کی سعی کی۔

”ہرگز نہیں، پہلے جواب دو“۔ میں اس کے قریب ہوا، میرا ہاتھ بے اختیار اس کی ستواں ناک پر ٹھہر گیا، پھر اس کے ہونٹوں پر، مجھے ایسا لگا تھا جیسے آج میں پہلی بار اس کو دیکھ رہا ہوں۔

”دے تو دیا ہے جواب“۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

”کب دیا ہے؟“ میں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا، اس نے اپنا بازو چھڑایا اور باہر بھاگ گئی، جبکہ میرا دل جھوم رہا تھا، وہ سارا دن مجھے نظر نہیں آئی اور اس کو دیکھنے کی تڑپ اتنی زیادہ تھی کہ میں چار بار اس کے پورشن میں گیا تھا، لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگلے دن مجھے کراچی روانہ ہونا تھا اور جانے سے پہلے میں نے اماں سے بات کر لی، وہ تو جانے کب سے میری ہاں کے انتظار میں تھیں، وہ سرعت سے چچا سے بات کرنے چلی گئیں، جب وہ واپس آئیں تو ان کے چہرے پر وہ بشاشت نہیں تھی جو کہ جاتے وقت تھی، میں نے بے چینی سے پوچھا۔

”وہ کہتا ہے کہ اگر اس کو تین لاکھ دو گے تو وہ نکاح کر دے گا“۔

”کیا...؟“ حقیقت میں میرے سر پر بم آ کر پھٹا تھا۔

”اس نے کہا ہے کہ وہ عمارہ کا رشتہ طے کر چکا ہے پانچ لاکھ کے عوض، اگر تم دو ماہ میں اس کو تین لاکھ دے دیتے ہو، تو وہ تم سے کر دے گا“۔

”وہ دو ماہ تک میرا انتظار کرے گا بھی یا نہیں؟“

”نہیں وہ کہتا ہے کروں گا“۔ پھر میں کراچی آ گیا تھا، ایک ماہ مختلف کام کر کے میں نے ایک لاکھ جمع کر ہی لیے تھے، باقی دو لاکھ جمع کرنے تھے، میں اپنی زمینیں بیچنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ ان پر میرے بھائیوں کا بھی حق تھا، میں اپنی خواہش کے لیے انھیں مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، لیکن بدقسمتی میرا پیچھا کرتے کرتے نہیں تھکی تھی، ایک رات میں سویا ہوا تھا، جب موبائل بجا۔

”ہیلو!“

”ہیلو احسان! میں عمارہ بول رہی ہوں“۔ میں اٹھ بیٹھا۔

”عمارہ! کیسی ہو تم، اس وقت کیسے فون کیا؟“ میں حقیقت میں پریشان ہو گیا تھا۔

”احسان... احسان! مجھے یہاں سے لے جاؤ“۔ وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی، جبکہ اس کا رونا سن کر میری نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔

”کک... کیا ہوا ہے عمارہ! تمھیں کسی نے کچھ کہا ہے؟“

”ابا میرا رشتہ طے کر رہے ہیں، میں نے خود سنا ہے وہ فون پر بات کر رہے تھے، احسان! مجھے اپنا پتہ بتاؤ میں تمہارے پاس آتی ہوں“۔

”پاگل ہو گیا، تمہارا رشتہ مجھ سے طے ہو چکا ہے، وہ کیسے اپنی زبان سے پھر سکتے ہیں؟“ میں جھنجھلا گیا تھا۔

”وہ پھر جائیں گے احسان! ان کو پیسوں کی ضرورت ہے، وہ پھر جائیں گے، انھوں نے اگلے ہفتے تک سوات چلے جانا ہے“۔

”اچھا رکو! میں ابھی چاچا سے بات کر کے بتاتا ہوں“۔ میں نے چاچا کا نمبر ملایا، لیکن ان کا فون بند جا رہا تھا، میں نے چچی کو فون کیا، انھوں نے مجھے تسلی دی کہ میرے تمام خدشات بے بنیاد ہیں، وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے، میں نے عمارہ کو دوبارہ فون کیا، میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں دو ہفتے تک رقم کا انتظام کر کے واپس آ جاؤں گا، لیکن ایسا موقع ہی نہ ملا تھا، ایک ایسی ہی رات کو عمارہ کے فون نے نہ صرف میری آنکھوں سے نیند اڑا دی تھی، بلکہ میرے خواب بھی نوچ ڈالے تھے۔

”احسان! میں تمہارے پاس آ رہی ہوں“۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

”پاگل ہو... تم ایسا کچھ نہیں کرو گی“۔ میں نے اس کو ڈپٹا۔

”مجھے لگتا ہے تم مجھ سے محبت ہی نہیں کرتے، اگر کرتے تو وہاں اتنے سکون سے نہ بیٹھے ہوتے، یہاں میرا نکاح ہو جائے گا اور تم رقم جوڑتے رہنا“۔

”میں کل آ رہا ہوں“۔ میں نے قطعی لہجے میں کہا۔

”میں آ جاتی ہوں، تمھیں آنے میں دو دن لگیں گے اور نجانے ان دو دنوں میں کیا ہو جائے، احسان! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے“۔

”میری جان! ٹینشن نہ لو، میں تمہاری خاطر یہاں پردیس میں رُل رہا ہوں، میں آ رہا ہوں“۔ تم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی“۔

”احسان! اگر میری شادی تم سے نہ ہوئی تو میں مر جاؤں گی، میں قسم کھا رہی ہوں، میں نے صرف تمھیں چاہا ہے، اگر تم مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی“۔

”تم ایسا نہیں کرو گی، میں آ رہا ہوں“۔

”احسان! تم آ جاؤ... میں تمہارے ساتھ گھر سے بھاگ جاؤں گی“۔

”ہاں ہم بھاگ جائیں گے، ویسے پہلی لڑکی دیکھی ہے، جو لڑکے کو گھر سے بھاگنے کا مشورہ دے رہی ہے، اتنی شد و مد سے تیار ہے“۔ میں نے چھیڑا وہ جھینپ گئی۔

”اچھا اب رونا بند کرو، تمہارے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں، یہ بات سمجھ نہیں آتی تمھیں؟“

”آتی ہے“۔

”پھر بار بار ایسا کیوں کرتی ہو، کیا مجھے اذیت دے کر خوشی ملتی ہے تمھیں؟“ میں پرشکوہ لہجے میں بولا۔

”نہیں ہرگز نہیں“۔

”اب پریشان نہ ہونا، سب ٹھیک ہو جائے گا“۔

”اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ!“ فون بند ہو چکا تھا، لیکن میری بے چینی کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔

☆……☆……☆

دو دن بعد میں گھر پہنچا تھا اور عمارہ کے سارے ابہام، سارے خدشات درست ثابت ہوئے تھے، چچا نے اس کو پانچ لاکھ میں ایک ساٹھ سالہ بوڑھے سے بیاہ دیا تھا، اور خود غائب ہو گیا تھا، اس نے میرے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ شادی کے دو دن بعد جب میں اس سے ملا تھا، اسی دن اس کی صدمے سے دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی، وہ ثابت قدم رہی تھی، اس نے اپنا وعدہ نبھایا تھا، محبت کے اس کھیل میں، میں ناکام ثابت ہوا تھا، میں تو مر بھی نہیں سکتا، میری ماں، میرے بھائی، میرے ارادوں میں دراڑیں ڈال دیتے ہیں، میرے سارے ارادے بھربھری مٹی کی مانند ہو کر رہ جاتے ہیں۔

آپ میری کہانی کا اینڈ اچھا لکھیے گا، تہی دست و تہی داماں لوگ تو یوں بھی بہادر بن جاتے ہیں، کھونے کا ڈر نہیں ہوتا، پانے کی تمنا نہیں ہوتی“۔ وہ شکست خوردگی سے آگے بڑھ گیا اور میں جو کہ ایک رائٹر ہوں، اس کہانی کا اینڈ کیسے اچھا لکھ سکتا ہوں؟ آپ ہی بتائیں غم تو اس کی بنیادوں میں چھپا ہے۔

☆……☆……☆

''کیا زمانہ آ گیا ہے ایک طلاق یافتہ لڑکی کو نئی نویلی دلہن کے سر پر سوار کر رکھا ہے، اور وہ بھی ڈھیٹ بنی اس کے گرد منڈلاتی پھر رہی ہے''۔ زلیخا بیگم نے اپنی خفت مٹانے کے لیے دوسرا جملہ اپنے لبوں سے آزاد کیا، تو رابی نے ان کی جانب دیکھا اور بے ساختہ ہنس پڑی، زلیخا بیگم کو لگا جیسے وہ ان کا مذاق اڑا رہی ہے، ان کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی، گھر والے اس لیے انھیں کچھ نہیں کہہ رہے تھے کہ وہ ان کی ہنگامہ کھڑا کرنے کی عادت سے بخوبی واقف تھے، وہ شادی کے موقع پر مہمانوں کے سامنے اپنا تماشا نہیں بنوانا چاہتے تھے، ورنہ دل تو سب کا چاہ رہا تھا کہ انھیں اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں، ظفر فیملی تو انھیں انوائٹ کر کے پچھتا رہی تھی، تمام رسمیں ہنسی مذاق میں انجام پذیر ہوئیں، رابی نے بیس ہزار روپے رسموں کے لئے تھے اور آدھے حیدر کو واپس کر دیئے تھے، رخصتی ہونے لگی تو ناہید بھابی قرآن پاک اٹھا لائیں، زلیخا بیگم، افشین اور اس کے دولہا سے بات کرنے کے لیے اسٹیج پر موجود تھیں، رابی نے شیشوں کے کام والی چادر افشین کو اوڑھا دی۔

''ہٹو پرے منحوس... سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے''۔ زلیخا بیگم نے اسے جان بوجھ کر پوری قوت سے پیچھے دھکیلا، تو اس کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی، پاؤں اسٹیج سے نیچے جا پڑا وہ بہت بری طرح پیچھے جا گرتی، مگر قریب کھڑے احتشام نے جلدی اور تیزی سے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے گرنے سے بچا لیا، رابی نے بھی خوفزدہ ہو کر گرنے سے بچنے کے لیے ان ہی کا بازو تھاما تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔

''آں... ہاں... رونا نہیں ہے، آپ تو بہت باحوصلہ اور باہمت لڑکی ہیں''۔ احتشام نے اس کی آنکھوں میں تیرتے پانیوں کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا اور جیسے وہ ہوش میں آ گئی، اور ایک دم سے ان کا بازو چھوڑ کر اپنا دل تھام کر اپنی سانس نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی، احتشام کے ہاتھ اور بازو کا مضبوط حصار، ان کے لمس کا احساس اسے نروس کر رہا تھا، وہ ان سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

''بے دھیانی میں ہی سہی لیکن آپ نے صحیح ہاتھ کا سہارا لیا ہے، اور یہ سہارا آپ کو کبھی کہیں گرنے اور بکھرنے نہیں دے گا''۔ احتشام نے مدھم آواز میں اس کے قریب آ کر کہا تو اس نے حیرت اور تشکر سے انھیں دیکھا، وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے، جہاں افشین رخصتی کے لیے تیار کھڑی تھی، رابی اپنے حواس کو قابو کرتے ہوئے افشین سے ملنے کے لیے آگے آ گئی، وہ دل میں اس کی خوشیوں اور آسودگیوں کی دعا مانگ رہی تھی، اور افشین اس کے گلے لگ کر ایسے روئی کہ جیسے وہ اس کی سگی بہن ہو، حالانکہ صرف دو دن کی مختصر سی ملاقات رہی تھی ان کی، رابی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی، مگر فوراً ہی ٹشو سے ان شبنمی قطروں کو صاف بھی کر لیا، کیونکہ زلیخا بیگم قریب کھڑی اسے گھور رہی تھیں، افشین کے رخصت ہونے کے بعد کافی دیر تک ظفر ولا میں اداسی سی چھائی رہی۔

☆............☆............☆

رابی، عمران اور دوسرے بچوں کے ساتھ لان میں آ گئی اور بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے کے لیے تیار ہو گئی، ناہید بھابی کے بچے شہرام، اعصام اور انعم کرکٹ بیٹ اور بال لے کر آ گئے، شازیہ، نازیہ، وسیم اس کی بہنیں لبنیٰ اور دیگر کزنز بھی ان کی دیکھا دیکھی لان میں جمع ہو گئے اور سب کے موڈ کو دیکھتے ہوئے رابی نے دو ٹیمیں بنائیں، عمران، شازیہ، آصفہ اور ان کا کزن چودہ سالہ ذکی، رابی کی ٹیم میں شامل تھے اور دیگر دوسری ٹیم میں۔

''رابی آپی! پہلے میری باری ہونی چاہیے''۔ ذکی نے اس سے کہا۔

''کیوں؟'' رابی نے اپنے قد کے برابر کے اس شوخ لڑکے کو گھورا۔

HABIB
ٹماٹو کیچپ سے...
اب کھانا ختم!
HABIB TOMATO Ketchup
HOM
HOM Quality Foods (Pvt.) Ltd.
http://www.hom.com.pk
https://www.facebook.com/HabibOilMills

زیادہ دکھ مجھے ہوگا“۔

”کیوں؟“ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی مگر وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی تیزی سے گھر کا گیٹ عبور کر گئے، اور اس کے اندر ایک حیرت انگیز بے چینی اور بے قراری چھوڑ گئے، وہ حیران پریشان اپنی حالت اور کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، اور باقی سارا دن اسے چین نہیں آیا، احتشام کی صورت ان کی باتیں اس کے دل و دماغ پر نقش ہو کر اسے بے کل جو کر رہی تھیں، پڑھنے کے لیے کتاب کھولی تو احتشام کا چہرہ اوراق میں ابھر آیا اس نے گھبرا کر کتاب بند کر دی۔

”جسے میں نے ہمیشہ کھری کھری سنائی ہیں، وہی محبت کا عکس بن کر میرے دل و دماغ میں سما گیا ہے، یا اللہ! یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ، مجھے تو مردوں سے چڑ تھی، نفرت تھی پھر یہ ”شام“ اوہ نو...!“ کئی دن بعد بھی جب احتشام کا خیال اس کے حواسوں پر چھایا رہا تو وہ خود سے الجھ کر بولی۔

”شام نے ایسا کوئی کام نہیں کیا، جس کے بل پر تم اس سے نفرت کر سکو، یا اسے اس کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی اور اچھائیوں سمیت نظر انداز کر سکو، اگر وہ جھوٹے، فریبی یا لالچی انسان ہوتے، تو تم ان کے لیے ایسی بے قراری کبھی بھی محسوس نہ کرتیں“۔ رابی کے اندر کی رابی نے جواب دیا۔

”ہاں مگر ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، میں تو اب شادی کرنا ہی نہیں چاہتی“۔ وہ خود سے بولی۔

”محبت کرنے کے لیے شادی کرنا ضروری نہیں ہوتا“۔ اس کے دماغ نے دلیل پیش کی۔

”لیکن کیا جس سے محبت ہو جائے اس کے بغیر زندگی بسر کرنا آسان ہوتا ہے؟“ اس نے خود سے سوال کیا، مگر اس کے پاس اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، وہ تو ابھی تک اسی الجھن میں مبتلا تھی کہ اسے واقعی ”شام“ سے محبت ہو گئی ہے یا یہ وقتی احساس ہے۔

☆..........☆..........☆

شازیہ کی شادی خیریت سے ہو گئی، اس دوران بھی اس کا کئی بار احتشام سے سامنا ہوا تھا، مگر وہ خود ہی ان سے بچتی، کتراتی، نظریں چراتی پھرتی رہی تھی۔ دل میں چور جو تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آنکھیں اس کے دل کا بھید ان پر آشکار کر دیں، وقت مزید گزرا تو نازیہ کی بات بھی پکی ہو گئی، رابی کے لیے رشتے آتے، مگر وہ اس موضوع پر بات سنتے ہی بھڑک اٹھتی تھی، اس لیے تھک ہار کر سب نے کہنا سمجھانا ہی ترک کر دیا تھا، احتشام نے لاہور میں جو فیکٹری خریدی تھی، اس کی نگرانی وہ خود ہی کیا کرتے تھے اور مستقل لاہور میں قیام پذیر تھے، عید تہوار پر آگے پیچھے کراچی جاتے رہتے تھے، کراچی اور لاہور کے بار بار کے سفر کے وہ عادی ہو چکے تھے، جب گھر والوں کی یاد ستاتی سیٹ بک کروائی اور کراچی پہنچ گئے۔ ”فیضان ہاؤس“ بھی وہ مہینے میں ایک بار ضرور آتے تھے اور ان کے آتے ہی رابی اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی اور جب تک وہ واپس چلے نہیں جاتے تھے، وہ کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی، احتشام اس کی یہ دانستہ کی جانے والی حرکت ہر بار محسوس کرتے تھے، لیکن کہتے کچھ نہیں تھے، رابی نے وکالت کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کر لیا تھا، اور نازیہ کی بھی شادی ہو رہی تھی، دوہری خوشی تھی، اس سمیت سب گھر والوں کو، احتشام کے گھر والے بھی نازیہ کی شادی میں شریک ہونے کے لیے آئے ہوئے تھے، رابی جہاں احتشام کو کھڑا یا بیٹھا دیکھتی فوراً راستہ بدل لیتی، اسے خود پر بہت غصہ تھا۔

”دل کو تو ان کے راستے پر چلنے سے روک نہیں سکیں، اب خود چھپتی پھر رہی ہو“۔ رابی نے خود کو دل ہی دل میں لتاڑا۔ آج نازیہ کی مہندی تھی، اور نازیہ کی شادی چونکہ جویریہ بھابی کے چھوٹے بھائی سے ہو رہی تھی، اس لیے جویریہ بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں، وہیں سے مہندی لے کر آنے کا پروگرام تھا ان کا، سعدیہ باجی بھی اپنے دو عدد بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں، شازیہ اپنی ڈیڑھ سالہ بیٹی کو سنبھالنے میں لگی تھی، نصرت مہمانوں میں مصروف تھیں، لے دے کے رابی رہ گئی تھی جو مہندی کے پروگرام کی تیاریوں میں مگن تھی، عمران اور نیہا کو بھی اس نے ساتھ لگا رکھا تھا، اس نے گولڈن کلر کا چوڑی دار پاجامہ پشواز پر آرگنزا کا ہم رنگ دوپٹہ زیب تن کیا ہوا تھا، گولڈن جوتے، میچنگ جیولری پہنے اس نے اپنے لمبے سیاہ بالوں کو فرنٹ سے سیٹ کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا، دلکش میک اپ کے ساتھ وہ اور بھی زیادہ پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

”ہیلو گولڈن گرل!“ احتشام کی آواز پر اس نے دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے چونک کر مڑ کر دیکھا، وہ سفید کرتے شلوار میں ملبوس اسی شان سے کھڑے مسکرا رہے تھے، جو ان کی دلکش شخصیت کا خاصا تھی، وہ انھیں یوں اچانک دیکھ کر سٹپٹا سی گئی۔

”گولڈن گرل!“ انھوں نے اس کے لباس کی مناسبت سے کہا تھا اپنی سنہری رنگت کے سبب یہ رنگ اس پر اور بھی زیادہ کھل رہا تھا، اور اس نے افشین کی شادی پر اس کلر کا لباس پہنا تھا اسی خیال سے نازیہ کی مہندی کے لیے بھی اس کلر کا انتخاب کیا تھا، اسے دل ہی دل میں احتشام کی زبان سے ”گولڈن گرل“ سننے کی تمنا جو تھی اور اب پوری بھی ہو گئی تھی۔

”ہیلو! کیسے ہیں آپ؟“ رابی نے سنبھل کر کہا۔

”روز اول کی طرح آج بھی اسی محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں، جسے سر کرنے کا عہد ہمارا دل کر چکا ہے“۔ انھوں نے ذومعنی بات کہی تو وہ نجانے کیوں ان سے نظریں چرا گئی، ان کی ذومعنی باتیں آج تک اسے بے کل کرتی تھیں۔

”مجھے کام ہے“۔ وہ ان سے بچ کر جانے لگی تو وہ فوراً اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

”مجھے معلوم ہے کہ آپ کو بہت کام ہیں، یہ گجرے سنبھالیں“۔ انھوں نے گجروں کا لفافہ اس کے ہاتھوں میں دے دیا، وہ جانے لگی تو انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا۔

”میری ایک بات سنتی جائیں“۔ انھوں نے نرم لہجے میں کہا تو وہ ان کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

”انسان ہر چیز اور جذبے سے خود کو بچا سکتا ہے، مگر ایک چیز سے نہیں، آپ خواہ کتنا ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کریں، کتنا ہی خود کو بچانا چاہیں سب بے سود اور بے کار ہے، کیونکہ اس معاملے میں کوئی بھی خود کو نہیں بچا سکتا، روک نہیں سکتا، باز نہیں رکھ سکتا“۔

”کس معاملے میں؟“ اس نے گھبرا کر پوچھا، خدشہ جو تھا کہ کہیں اس کے دل کا چور تو ان کے ہاتھ نہیں لگ گیا۔

”اب کیا اس معاملے کی وضاحت بھی مجھے ہی کرنا ہو گی؟“ احتشام نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا، تو نجانے کیوں اسے ان کے لہجے اور آنکھوں میں محبت کے دھنک رنگ چھلکتے محسوس ہوئے، وہ سٹپٹا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

”وے میں چوری چوری تیرے نال لالئیاں اکھاں وے
میں چوری چوری وے میں چوری چوری“

وہ اسٹیج کے قریب کسی کام سے آئی تو عمران نے ڈیک آن کر دیا، وہ نروس ہو گئی۔

”عمران! یہ کیا چلا دیا ہے، مہندی کے گیت لگاؤ“۔ رابی نے عمران سے کہا۔

”شام انکل نے یہ کیسٹ لگائی تھی“۔ عمران نے بتایا تو اس کی حالت بری ہو گئی۔

"تو کیا انھیں معلوم ہوگیا ہے کہ میں انھیں...... اوہ نو...... کتنے شرم کی بات ہے، کہاں گئے میرے ارادے، میری نفرت اور بیزاری، ٹھیک ہی تو کہا ہے انھوں نے کہ محبت کے معاملے میں انسان خود کو نہیں بچا سکتا، بچنا اپنے اختیار میں تھوڑی ہوتا ہے، اف.... اگر انھیں سچ مچ علم ہوگیا تو اچھا نہیں ہوا"۔ رابی نے تاسف سے دل میں کہا۔

"پھپھو! لڑکے والے آرہے ہیں مہندی لے کر جلدی آئیں"۔ عمران کی آواز پر وہ چونک گئی۔

"اف.... کیا ہوگیا مجھے؟" وہ نادم سی ہوکر تیزی سے گیٹ کی جانب بھاگی اور راستے میں احتشام سے ٹکرا گئی۔

"ارے بھئی! آنا تو آپ کو میرے پاس ہی ہے، مگر ایسی بھی کیا جلدی ہے اس بے صبری کا مظاہرہ کرکے میرا صبر تو مت آزمائیں"۔ احتشام نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا۔

"آ.... پ.... وہ....!" وہ سٹپٹائی ہوئی انھیں دیکھتے ہوئے بول بھی نہ پائی اور وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوکر ہنس پڑے، تو وہ ان کے حصار سے نکل کر گیٹ کی جانب بھاگ گئی، احتشام کے ہاتھوں کا لمس اسے اپنی رگ جاں میں اترتا محسوس ہورہا تھا، دل کی دھڑکن نارمل ہونے میں نہیں آرہی تھی، سردی کے باوجود اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے، دولہا والے آگئے تھے، اس نے بمشکل خود کو ان کے استقبال کے لیے تیار کیا، مہندی کی رسم بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی، اس دوران بھی وہ خود کو احتشام کی قربت ان کے لمس کی حدت کے حصار میں لپٹا ہوا محسوس کرتی رہی تھی، اور وہ اس کے بعد ایسے غائب ہوئے کہ شادی کے روز بھی نظر نہ آسکے، حالانکہ عمران اور نیہا نے بتایا تھا کہ شام انکل آئے ہوئے ہیں، اس کی نظریں غیر ارادی طور پر احتشام کو ڈھونڈتی رہیں، ان کے دیدار کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں تھیں، اور انھیں دیکھ نہ سکنے پر وہ کس قدر ملول بھی ہوئی تھی۔

"یہ رابی ہے ناں سب سے چھوٹی ہے، بس یہی رہ گئی ہے، نصرت کا آخری فرض"۔ نازیہ کی دعوت ولیمہ میں دولہا کی مامی اور رابی کی نئی پڑوسن نے رابی کو دیکھ کر ناہید بھابی سے کہا تو رابی کے کان کھڑے ہوگئے۔

"جی بس رابی ہی رہ گئی ہے اب تو"۔ ناہید بھابی بولیں۔

"رہ کیا گئی ہے اس کی شادی تو سب سے پہلے ہوئی تھی، نازیہ اور شازیہ تو اس سے چھوٹی ہیں، رابی کا شوہر ظالم تھا کئی شادیاں کررکھی تھیں اس نے، اس وجہ سے رابی نے اس سے طلاق لے لی تھی"۔ ناہید بھابی کی خالہ نے صحیح بات بتائی۔

"اچھا...! لگتی تو چھوٹی ہے کیسی حسین لڑکی ہے اور کم سنی میں طلاق ہوگئی، ہائے ہائے! اب کون بیاہے گا اسے؟" وہ خاتون افسوس بھرے لہجے میں بولیں۔

"خالہ! بیاہنے والے تو بہت ہیں اور انشاءاللہ رابی بھی اپنے گھر کی ہوجائے گی، بس اس کی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار تھا اور پھر ایک بار جو دھوکا ہوگیا، اس وجہ سے اس کے گھر والے بھی ڈرے ڈرے سے ہیں، دوسری بار یہ دھوکا نہیں چاہتے ہر چیز دیکھ بھال کر ہی کوئی فیصلہ کریں گے"۔ ناہید بھابی نے سنجیدگی سے کہا، تو رابی کو ان پر بے ساختہ پیار آنے لگا، کتنی خوبصورتی سے انھوں نے بات بنائی تھی۔

"فیصلہ سوچ سمجھ کر، دیکھ بھال کر ہی کرنا چاہیے، مگر اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے کہ لڑکی کی عمر ہی بیت جائے، چلو اب تو رابی کم عمر دکھائی دیتی ہے حسین و جمیل بھی بہت ہے، اس وجہ سے اس کے رشتے بھی آرہے ہیں، کل کلاں کو جب یہ حسن ماند پڑ جائے گا اور بالوں میں چاندی جھانکنے لگے گی، تو کوئی اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں، ویسے طلاق یافتہ لڑکی ہونے کے باوجود میں رابی کو اپنی بہو بنانے کو تیار ہوں، اگر اس کے گھر والے مان جائیں تو میرا بیٹا ہے تو 38 برس کا ایک بیٹا ہے اس کی بیوی بے چاری مر گئی تھی"۔ وہ خاتون تیزی سے بولیں۔

"خالہ! ہماری رابی کے لیے ماشاءاللہ نوجوان کنوارے، پڑھے لکھے اور برسر روزگار شریف اور خوبصورت نوجوانوں کے رشتے موجود ہیں، آپ اپنے بیٹے کے لیے کسی بیوہ کا ہاتھ مانگیں تو زیادہ مناسب رہے گا"۔ ناہید بھابی نے سنجیدہ لہجے میں کہا، تو جہاں ان کا شرمندگی سے چہرہ اتر گیا، وہاں رابی کا چہرہ ان کے اس جواب پر خوشی سے کھل کھل گیا اور جب ناہید بھابی اس کے قریب آئیں تو اس نے بے اختیار انھیں چوم لیا۔

"تھینک یو بھابی! آپ نے میرا کیس بہت اچھی طرح لڑا ہے"۔

"وہ اس لیے کہ تم مجھے بہت عزیز ہو، مگر لگتا ہے کہ تم نے اپنے آپ سے دشمنی کررکھی ہے، تم مان کیوں نہیں لیتیں سب کی بات، تاکہ لوگوں کے ان سوالوں اور لہجوں سے نظروں سے چھٹکارا پاسکو"۔ ناہید بھابی نے سنجیدگی اور محبت سے کہا۔

"بھابی! مجھے ڈر لگتا ہے اپنی شادی کے تصور سے ہی میرا دم گھٹنے لگتا ہے، میرے لیے شادی ایک اذیت ناک اور تکلیف دہ رشتہ رہا ہے، بالفرض میں شادی کر بھی لوں تو میں اپنے شوہر کے متعلق کنفیوژ ہی رہوں گی، وہ اچھا بھی ہوا تو بھی شاید میں اس کے ساتھ اچھی نہ رہ سکوں اسے دل سے قبول نہ کرسکوں"۔ وہ افسردگی سے بولی۔

"اگر وہ اچھا ہوگا جو یقیناً ہوگا، تو وہ تمہیں بھی اپنے جیسا بنا لے گا اور تم تو خود ہی بہت اچھی ہو، اتنی نرم دل، محبت کرنے والی اور سب کا خیال رکھنے والی، تو بھلا ایک اچھے شخص کے ساتھ ناانصافی کیسے کرسکتی ہو تم؟" ناہید بھابی نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"پتا نہیں اس سلسلے میں مجھ سے کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا"۔ وہ بے بسی سے بولی۔

"تو تم یہ فیصلہ امی، ابو پر چھوڑ دو، وہ یقیناً تمہارے لیے بہتر فیصلہ ہی کریں گے"۔

"چھوڑیں اس قصے کو ابھی تو نازی کی شادی ہوئی ہے، انھیں اس کی تھکن تو اتار لینے دیں، ہونا تو وہی ہے جو میری قسمت میں لکھا ہے یوں بھی مجھے اپنی شادی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

"اچھی بھلی لائن پر آتے آتے ایک دم پٹڑی سے اتر جاتی ہو تم"۔ ناہید بھابی نے پیار بھری خفگی سے اسے گھورا تو اسے ہنسی آگئی۔

☆............☆............☆

اس نے فیضان صاحب کے وکیل دوست کے انڈر رہ کر اپنی ابتدائی ٹریننگ مکمل کی اور اس کے بعد اکیلے کیس ہینڈل کرنے لگی، پہلے دو کیس خواتین کے تھے، ایک اپنے شوہر اور سسرال والوں کے تشدد اور طعنوں کی وجہ سے تنگ آکر اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی تھی، سو اس عورت سکینہ نے مجبوراً عدالت سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا تھا، رابی کو اس نے بتایا تھا کہ اس کے میکے والے اس کی شادی کو بچانے کے لیے اب تک اس کے شوہر کی ہر جائز اور ناجائز فرمائش پوری کرتے رہے ہیں، مگر اب ان کی ہمت اور جیب جواب دے گئی ہے، اور وہ خود بھی اپنے شوہر کی طعنہ زنی اور پرتشدد رویے سے تنگ آگئی ہے، اس لیئے اس سے علیحدگی چاہتی ہے، رابی کو اس کی آپ بیتی سن کر بہت دکھ ہوا اور اس نے اس کا کیس پوری توجہ سے تیار کیا اور عدالت میں پیش کیا اس کی مالی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے اس سے کیس لڑنے کی فیس بھی نہیں لی اور اللہ نے اس پر خاص کرم کیا اسے پہلے ہی کیس میں کامیابی عطا فرمائی، اس کے شوہر کو سزا اور جرمانہ ہوگیا اور بچے کو ماں کی تحویل میں دے دیا گیا، سکینہ خلع ملنے کے بعد بہت دیر تک رابی کے گلے لگ کر روتی رہی تھی، اسے جہاں اپنا گھر ٹوٹنے کا غم تھا وہاں ایک لالچی اور ظالم شخص سے نجات ملنے کی خوشی بھی تھی، وہ اللہ کے بعد رابی کی شکر گزار تھی کہ اس نے بہت مہارت اور ذہانت سے اس کے کیس کی

Photography: Sami Ehsan
Make-up: Satwat Ehsan
یکم اپریل 2014 سے 10 جولائی 2014 تک

زبردست ڈسکاؤنٹ آفر

برائیڈل میک اپ اور پارٹی میک اپ پر

20% ڈسکاؤنٹ

From Rs. 8000/-
Upto Rs. 10,000/-

ایکسپرٹ دلہن میک اپ

روز اوکسیجن
وائٹننگ اینڈ لفٹنگ فیشل

Only Rs.4000/-
20% Discount
Only Rs.3200/-
Rs.2560/-

کیراٹن
ٹریٹمنٹ

کیمیکل کے زیادہ استعمال سے بالوں سے کیراٹین کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔
اور آپ کے بال خشک، بے جان اور کھردرے ہو جاتے ہیں۔
کیراٹین ٹریٹمنٹ کے ذریعہ اپنے بالوں کو خوبصورت،
لچک دار اور چمک دار بنائیے۔

From Rs. 10,000/-
Upto Rs. 25,000/-

ری بونڈنگ
بلو ڈرائی سے ہمیشہ کیلئے نجات!

اب آپ کے بال پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین!

روز بیوٹی پارلر

گلشن اقبال 34977970-34977972
زمزمہ 35833929-35833930
ناظم آباد 36707479-36707480
نارتھ ناظم آباد 36636824-36636825

Email: rosegrouppk@gmail.com Website: www.roseparlour.com

پیروی کی تھی اور اس سے فیس بھی نہیں لی تھی۔

”تم نے کیا سوشل ورک کے لیے مفت کام کرنے کے لیے وکالت پڑھی ہے؟“ شازیہ نے اس کے فری کیس لڑنے پر طنز سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”تم نہیں سمجھ سکو گی تم ابھی بچی ہو“۔

”میں بچی نہیں ہوں، بچی کی ماں ہوں، بچی تو تم بنی ہوئی ہو، امی ابو کو بھائی جان کو ہر وقت تمہاری فکر لگی رہتی ہے، شادی کر کے اپنا گھر بساؤ اور.....!“

”شازی! میں تم پر بوجھ نہیں ہوں“۔ وہ اس کی بات کاٹ کر سنجیدہ لہجے میں بولی۔

”اور نہ ہی میں کوئی ایسا کام کر رہی ہوں کہ میرے گھر والوں کی نظریں شرم سے جھک جائیں“۔

”ابھی پہلا کیس جیتا ہے تم نے اور اس سے پہلے کیس کے دوران گھر میں اس خاتون کے دھمکی آمیز فون آتے رہے ہیں، تمہیں تو امی ابو نے اس لیے نہیں بتایا کہ تم خوفزدہ نہ ہو جاؤ اور پہلا کیس ہی ہار کر مایوس اور بد دل نہ ہو جاؤ“۔ شازیہ نے انکشاف کیا۔

”او آئی سی..... دھمکی سے میں نہیں ڈرتی اور اب اس قسم کی باتیں مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتیں، بہادر اور باحوصلہ لوگ ہی اس پیشے سے وابستہ ہوتے ہیں، بزدلوں کا کام نہیں ہے کسی کو اس کا حق دلانا“۔ رابی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تو تم حقوق دلوانے کی چیمپئن بننا چاہتی ہو“۔ سعدیہ باجی بھی اس گفتگو میں شریک ہوئیں۔

”معلوم نہیں، مگر میں وہ نہیں بننا چاہتی، جو آپ لوگ مجھے بنانا چاہتے ہیں“۔ اس نے دکھ سے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی کہ اپنوں کی یہ حوصلہ شکنی اب اس کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی، اور وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

دوسرا کیس بھی اسی نوعیت کا تھا اس میں موکلہ کے شوہر نے دوسری شادی اس سے اجازت حاصل کیے بغیر کرنے کے بعد نہ صرف اسے گھر سے نکال دیا تھا، اس کا نان نفقہ بند کر دیا تھا، بلکہ اسے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر اسے احتجاج کرنے سے بھی روکنے کی کوشش کی تھی، سو رابی نے کیس کا فیصلہ ثبوت و شواہد اور عمدہ دلائل کے ذریعے اپنی موکلہ کے حق میں قرار دیا تھا، وہ ایک عورت کو ایک مرد کے ظلم بھرے ماحول سے نجات دلا کر بہت مطمئن تھی، تیسرا کیس ایک اکیس سالہ لڑکی کے قتل کا تھا، جسے اس کے ماں باپ کے بقول اس کے سسرالیوں نے زندہ جلا کر مارا تھا، اور سبب چولہا پھٹنے کا حادثہ قرار دیا تھا۔ مرحومہ ہاجرہ کے ماں باپ کو حاجرہ کے شوہر کے بیان پر شک تھا۔ حاجرہ کے جیٹھ کی بیوی کلثوم اس واقعے کے بعد اپنے میکے چلی گئی تھی، کیونکہ اس کا شوہر نذیر بھی اس پر تشدد کرتا تھا، دونوں بھائی دو نمبر کام کر کے مال بنا رہے تھے، انھیں کار، کوٹھی کی تمنا بھی تھی بیویوں سے رقم کا مطالبہ بھی رہتا تھا، کلثوم کو حاجرہ کا انجام دیکھ کر اپنی جان کی فکر لاحق ہو گئی تھی، زبیر کے خلاف حاجرہ کو قتل کرنے کی ایف آئی آر درج ہو چکی تھی اور کلثوم زبیر کے خلاف گواہی دینے کو بھی تیار تھی، رابی پوری دل جمعی سے یہ کیس تیار کر رہی تھی، اسے زبیر اور نذیر کی طرف سے دھمکی آمیز فون کالز اور خطوط ملنا شروع ہو گئے تھے، اس نے اپنے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگوائی تھی اور ان کی تمام کالز ریکارڈ کروا رہی تھی، خطوط بھی اس نے سنبھال کر رکھ لیے تھے، اور اپنے پرس میں بھی وہ ہر وقت منی ٹیپ ریکارڈنگ کے لیے رکھتی تھی، گھر والوں کو اس نے ان دھمکی آمیز فون کالز اور خطوط کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا، ویسے بھی آج کل سب اس سے اکھڑے اکھڑے سے رہنے لگے تھے، سبب اس کا شادی سے مسلسل انکار کیے جانا تھا، رابی کی نگاہوں میں شادی کا نام سنتے ہی اکثر احتشام کی صورت آ سماتی اور وہ بمشکل خود کو سمجھا پاتی تھی، تقریباً چار سال سے وہ اس خاموش محبت کو اپنے اندر پروان چڑھا رہی تھی، اس محبت کی جڑیں اس

کے دل و روح میں بہت گہرائی تک اتر چکی تھیں، اور وہ اپنے کام میں مشغول رہ کر اپنی بے چینی و بے قراری کو دبانے کی کوشش کرتی تھی۔

”مس صاحبہ! کوئی زبیر صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے“۔ چپڑاسی نے اس کے آفس کے کمرے میں آ کر اسے اطلاع دی۔

”زبیر..... حاجرہ کا شوہر، ٹھیک ہے بھیج دو اسے“۔ رابی نے منی ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبا کر اسے فائلوں کے درمیان میں رکھ دیا، اور خود اسی کیس کی فائل کھول لی۔

”تو آپ ہیں رابعہ فیضان؟“ زبیر اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا اس کے آفس میں داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی بولا۔

”آپ نے صحیح پہچانا..... میں ہی رابعہ فیضان ہوں، فرمایئے!“ وہ اعتماد سے بولی۔

”فرمانا یہ ہے بی بی! کہ یہ کیس چھوڑ دو، ورنہ تمہیں دنیا بھی چھوڑنی پڑ سکتی ہے“۔ وہ اس کے میز پر اپنے ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔

”تمیز سے کھڑے ہو اور طریقے سے بات کرو، یہ میرا آفس ہے تمہارا جوے کا اڈہ نہیں ہے جو اس انداز اور لہجے میں مخاطب ہو“۔ رابی نے سخت اور بارعب لہجے میں کہا، تو وہ ہنس پڑا اور پھر بولا۔

”تم حاجرہ کا کیس چھوڑ دو“۔

”اور تم میرا آفس چھوڑ دو، دفعہ ہو جاؤ یہاں سے“۔ وہ غصے سے کھڑی ہو کر بولی۔

”میں تو یہاں سے چلا ہی جاؤں گا، مگر تمہیں بھی جہاں سے رخصت کر کے ہی جاؤں گا“۔ زبیر نے یہ کہہ کر پستول نکال لیا وہ ایک لمحے کو گھبرا گئی مگر فوراً سنبھل بھی گئی۔

”یہ پستول ہٹاؤ“۔ وہ غصے سے چلائی۔

”آہستہ بی بی! آہستہ..... تم بھی حاجرہ کی طرح کی ایک کمزور عورت ہو، وکیل بن جانے سے تمہارے قد کاٹھ یا طاقت میں تو اضافہ نہیں ہو گیا، حاجرہ تو مر گئی ہے تم یہ بتاؤ کہ تم نے زندہ رہنا ہے کے نہیں؟“ وہ پستول اس پر تان کر خطرناک لہجے میں بولا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا، تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟“ وہ غصیلی اور سخت آواز میں بولی۔

”دھمکی کمزور لوگ دیتے ہیں، میں تو عمل کرنے والا بندہ ہوں، جہاں ایک حاجرہ گئی ہے وہاں ایک رابعہ بھی جا سکتی ہے، تم نے پولیس مقابلوں کے بارے میں تو سنا اور پڑھا ہو گا اور شاید ایک آدھ کیس دیکھا بھی ہو، آخر وکیل ہو، جس طرح مجرم کے ساتھی اپنے ساتھی مجرم کو پولیس کی قید سے فائرنگ کر کے آزاد کروا کے لے جاتے ہیں اور پولیس والوں کو ٹھکانے لگا جاتے ہیں، اسی طرح جب کسی مجرم یا ملزم کا وکیل ان کی مرضی کا فیصلہ نہ کروا سکے، یا جو ہمارے جیسے لوگوں کو پھنسانے کی کوشش کرے تو ہم لوگ اسے عدالت میں یا عدالت کے راستے میں ہی دنیا سے خارج کر دیتے ہیں، میری مرضی کا کیس لڑو گی تو منہ مانگی فیس دوں گا، اگر میرے خلاف کیس بناؤ گی تو حاجرہ کی قبر کے ساتھ میں تمہاری قبر بھی بنوا دوں گا، فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، زندگی یا موت؟“

”زندگی یا موت دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں زبیر صاحب! اب آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں“۔ رابی نے سخت اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”تشریف تو تمہیں بھی لے جانی پڑے گی، وکیل بی بی!“ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ (جاری ہے......)

صدف سعد

ردا کی ڈائری

افشاں علی کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

قریہ قریہ پوچھ رہی ہے خلقت ایک سوال
کب ٹوٹے گا سر سے ہمارے لوہے کا یہ جال
لوہے کا یہ جال کہ جس میں
ساٹھ برس سے قید ہیں اپنے سارے خواب و خیال
بنجر ماہ و سال
بنجر ماہ و سال کہ جن کے
چہرے ہرے کچور ہیں لیکن آنکھیں لالو لال
آنکھیں لالو لال کہ جن میں
ہولے ہولے تیر رہے ہیں پھیکے زرد ملال
قریہ قریہ پوچھ رہی ہے خلقت ایک سوال
کب تک اس مٹی کے بیٹے ہوں گے یوں بے حال
کب تک، ہم کو بننا ہو گا' نیلامی کا مال

ریما نور چمن ڈائری

نامعلوم شاعر کی غزل

محبت مسکراہٹ سے شروع ہو کر
آنسوؤں پر ختم ہوتی ہے
محبت اک ایسا گلاب ہے
جو وفا بن جائے تو
آنسو مقدر بن جاتے ہیں
محبت میں ٹوٹ کر چاہنے والے
صرف غم و درد سہتے ہیں
محبت آنکھوں کو
آنسو بہانے پر مجبور کر دیتی ہے

سحر انجم کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

آؤ کراچی کی تم کو سناؤں کہانی
یہی شہر تھا جو سوتا نہیں تھا
اندھیرا محلوں میں ہوتا نہیں تھا
بسوں کی صدا گونجتی ہر طرف تھی
یہ سمجھو یہاں رات ہوتی نہیں تھی
وہ ٹھیلوں پہ بکتی ہوئی مونگ پھلیاں
بڑی دیر تک جاگتی تھیں یہ گلیاں
یہاں رہنے والوں میں تھا بھائی چارہ
جو دشمن کو ہر گز نہیں تھا گوارا
ہوئی پھر ہمارے خلاف ایک سازش
تھمی ہی نہیں جب سے لاشوں کی بارش
اجڑ تا رہا پھر ہمارا کراچی
چہروں میں یہاں موت جا بہ جا ناچی
ہے اب چاروں طرف گھپ اندھیرا
بچ گئے اگر دیکھیں گے کل پھر سویرا

ثناء تاج کی ڈائری سے

خوبصورت نظم

بھول جاؤ کہ اپنے ماضی میں کیا رکھا ہے
یہی نا!
دو چار ملاقاتیں ادھورے شکوے
ادھوری باتیں اور کچھ اداس شامیں
چند ٹوٹی ہوئی امنگیں
فون کی چند بے ربط کالیں اور کیا ہے اپنے ماضی میں

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

محبت

محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی یہ عطا ہے، یہ نصیب ہے بلکہ یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے۔ زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے، محبت کی تعریف مشکل ہے اس پر کتابیں لکھی گئیں، مرثیے لکھے، افسانے رقم ہوئے، شعراء نے محبت کے قصیدے لکھے، محبت کی کیفیات کا ذکر ہوا، وضاحتیں ہوئیں لیکن محبت کی جامع تعریف نہیں ہو سکی، واقعہ کچھ اور ہے اور روایت کچھ اور، صرف اتنی سی بات ہے کہ ایک چہرہ جب انسان کی نظر میں آتا ہے تو اس کا انداز بدل جاتا ہے، کائنات بدلی بدلی سی لگتی ہے بلکہ ظاہر و باطن کا جہاں بدل جاتا ہے۔

(اقتباس: دل دریا سمندر)

افشاں علی...... کراچی

دوست

میرے دوست! میں وہ نہیں ہوں جو میں دکھائی دیتا ہوں، میرا ظاہر تو صرف ایک لباس ہے، ہاں فکر و الم سے بنا ہوا ایک لباس جو مجھے تیرے سوالوں سے محفوظ رکھتا ہے اور تجھے میری بے اعتنائی کا گلہ مند نہیں ہونے دیتا۔ میرا من خاموشی کے پردوں میں مستور ہے اور ہمیشہ وہیں مستور رہے گا، کوئی اسے دیکھ نہ سکے گا کوئی اس تک نہ پہنچ سکے گا۔

میرے دوست! میں نہیں یہ کہتا کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے سچ مانو اور جو کچھ میں کروں اس کی تائید کرو، کیونکہ میری باتیں میری نہیں بلکہ تیرے ہی خیالات کی بازگشت ہیں اور میرے افعال تیری ہی امیدیں ہیں جو لباس مجاز میں ظاہر ہوتی ہیں۔

میرے دوست! جب تیرے لیے دن ہوتا ہے تو میرے لیے رات ہوتی ہے، پھر بھی اس وقت دوپہر کی ان سنہری کرنوں کی باتیں کرتا ہوں جو پہاڑ پر رقص کرتی ہیں اور اس ارغونی سائے کی باتیں کرتا ہوں جو وادی پر آہستہ آہستہ چھا جاتا ہے کیونکہ تُو میری تاریکیوں کے گیت نہیں سن سکتا اور نہ ستاروں کے پاس میرے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ اور میرا ابھی یہی دل چاہتا ہے کہ تُو میرے گیتوں کو نہ سن سکے اور نہ میرے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ سکے کیونکہ میں رات کی تنہائی میں اکیلا ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست! تجھے صداقت، حسن اور راست بازی سے محبت ہے اور میں بھی تیری خاطر یہی کہتا ہوں کہ ان چیزوں سے محبت کرنا بجا اور مستحق ہے لیکن میں دل میں تیری اس محبت پر ہنستا ہوں اس کے باوجود میں یہ نہیں چاہتا کہ تُو میری ہنسی کو دیکھے، کیونکہ میں ہنسنے کے لیے بھی علیحدگی پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست! تُو نیک محتاط اور جہاندیدہ ہے میں جانتا ہوں کہ تُو ہر بات میں یگانہ ہے میرے دوست! اس لیے میں بھی سوچ سمجھ کر باتیں کرتا ہوں اس کے باوجود میں ایک دیوانہ اور اپنی دیوانگی کو چھپائے رکھتا ہوں کیونکہ میں اپنی دیوانگی سے علیحدہ رہنا پسند نہیں کرتا۔

(خلیل جبران کی محبت کے افسانے سے اقتباس)

عانیہ نیازی...... ربوہ

اس ماہ کا فلسفہ

زندگی

سقراط سے سوال کیا گیا ''موت سے بھی سخت تر کوئی چیز ہے؟'' اس نے جواب دیا ''زندگی''۔ کیونکہ ہر قسم کے رنج اور مصیبتیں زندگی ہی میں سہنی پڑتی ہیں جبکہ موت اس سے رہائی دلاتی ہے''۔

افشاں علی...... کراچی

اس ماہ کچھ خاص

☆ ہر آنکھ دیکھتی ضرور ہے مگر محسوس کرنے والی آنکھ بہت کم ہوتی ہے۔

☆ محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔

☆ پاؤں گیلا کیے بغیر سمندر تو پار کیا جا سکتا ہے لیکن آنسو بہائے بغیر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔

☆ بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔

☆ پست ارادوں کو دل میں جگہ مت بنانے دو، یہ کامیابی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

☆ سچا دوست دو جسموں میں ایک روح کی طرح ہوتا ہے۔

صاسحر...... ہارون آباد

اس ماہ کی نظم

امجد اسلام امجد

یہ کیسی رُت ہے
کہ آنگنوں میں تو پھول کھلتے ہیں مگر آنکھوں میں
پچھلے موسم کے خشک پتے بکھر رہے ہیں
گلاب چاروں طرف کھلے ہیں
مگر دریچوں میں جانے والوں کی راہ تکتے

اداس چہرے
خزاں کی دہلیز پر کھڑے ہیں
بچھڑنے والوں کی یاد کانوں میں لڑکھڑاتی ہوئی
صداؤں کے جال بنتی ہے آس چنتی ہے
یہ کیسی رُت ہے
بہار آ کر کھلے کواڑوں کو کھٹکھٹاتی ہے
بے دلی کی ہوا دریچوں میں سرسراتی ہے
اور پیلے گلاب آنگن میں کھل رہے ہیں
یہ کیسی رُت ہے
کہ پانیوں میں تمام منظر گھرے ہوئے ہیں
مگر نگاہوں میں پیاس لکھی ہے
وطن کی مٹی سے دور بیٹھے
جو گھر ستائے تو یاد رکھنا

نوشین مدثر...... لاہور

اس ماہ کے اقوال

☆ محنت اور ہنرمندی کے آگے کچھ بھی ناممکن نہیں۔

☆ عادت کی اگر مزاحمت نہ کی جائے تو یہ جلد ہی ضرورت بن جاتی ہے۔

☆ اپنے آپ پر قابو حاصل کر لینا سب سے بڑی جیت ہے۔

☆ عظیم خیالات پر جب عمل کیا جاتا ہے تو وہ عظیم کارنامے بن جاتے ہیں۔

☆ تمہارے واسطے خیر یہی ہے کہ شر سے باز رہو۔

☆ زبان کی حفاظت کرو کیونکہ یہ ایک بہترین خصلت ہے۔

☆ آنسوؤں کو بہہ جانے دو، یہ غموں کو مایوسیوں میں تبدیل ہونے سے روکتے ہیں۔

دھنک ناز...... کراچی،

اس ماہ کی قربانی

زندگی کی راہوں میں
قربانی کی بانہوں میں
کچھ پل چھپے ہیں خوشیوں کے
ہماری دعاؤں میں
وقت آتا ہے اچھا یہ عین ممکن ہے
گزار کر دیکھو وقت کبھی
بندگی کی چھاؤں میں

سعدیہ عابد...... کراچی

اس ماہ آنکھوں آنکھوں میں!

صالحہ محمود

سندیسے

افشاں علی..................کراچی

پیاری اور ہماری اپنی صالحہ اپیا! سویٹ سی نورین آپی! اور کیوٹ سے قارئین وتمام رائٹرز کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کی دعاؤں کے ساتھ چاہتوں اور پرخلوص دعاؤں کے سنگ تلے محبتوں اور الفت کے شیرے میں ڈوبا افشاں علی کا سلام قبول ہو۔ وقت کا تند وتیز دھارا ہر شے کو بہائے لے جا رہا ہے ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے جب April 2011 کے شمارے میں میری پہلی کاوش چھپی اور اب پھر ہاتھوں میں April 2014 کا شمارہ ہے۔ پلک جھپکتے ہی اتنا عرصہ بیت گیا وقت کو گویا پر لگ گئے۔ ردا سے جڑے محض کہنے کو تو 4 سال کا عرصہ ہوا ہے پر یوں لگتا ہے جیسے میرا اس سے برسوں کا ساتھ ہو۔ ردا کی بزم میں مجھے بھی شمولیت دینے اور یوں بھرپور تعاون کے لیے پیاری سی صالحہ اپیا کا بے حد شکریہ۔ آپ کی شبانہ روز محنت ہی کے باعث ردا آسمان ادب کا چمکتا روشن ستارہ بن چکا ہے۔

مارچ کے شمارے میں افسانے کی اشاعت اور پذیرائی کا بہت بہت شکریہ۔ دل کو لبھاتی مسکراہٹ اور زبردست سے اسٹائل کے ساتھ April کے سرورق پر آمنہ کریم کا یہ انداز دل کو بہت بھایا۔ گوشہ آگہی پڑھا آپی! میں آپ کی بات سے 100 فیصد متفق ہوں آپ نے جن باتوں اور اندیشوں کا اظہار کیا وہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ آپ نے خودکشی جیسے حرام اقدام کو منظر عام پر لانے کے لیے بصیرت افروز پیرائے میں اظہار خیال کیا ہے۔ آج کل جہاں ناکام محبت کا ذکر آتا ہے وہیں رائٹرز، ڈائریکٹرز، پروڈیوسرز سب اس لفظ کو خودکشی میں سمیٹ دیتے ہیں۔ خودکشی کرنے، محبت میں فنا ہو جانے اور جان کی بازی لگانے سے کوئی بھی عاشق ہیر رانجھا، شیریں فرہاد، سونی ماہیوال یا سسی پنہوں وغیرہ نہیں بن سکتا۔ آج کل میڈیا جو دکھا رہا ہے، رائٹرز جو لکھ رہے ہیں اس کا اثر دیکھنے والی آنکھ اور پڑھنے والے ذہن پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ جذباتی اور کچے ذہن کی لڑکیاں ولڑکے ان سب چیزوں، باتوں اور حالات کو بہت جلدی Observe کرتے ہیں اس لیے خدارا!! ان کچے ذہنوں کو وقت سے پہلے پکانے کے بجائے صحیح وقت پر خود سے پکنے دیا جائے اس کے لیے اقدام خودکشی کو روکتے ہوئے ہمیں اسی قلم اور میڈیا کا ہی سہارا درکار ہوگا۔ ردائے جنت سے فیض یاب ہو کر جب صفحہ پلٹا تو صالحہ آپی! آپ کے ناول کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ سلسلے وار ناول تو گویا سب ہی اچھے جا رہے ہیں۔ فہرست میں ایک بار پھر ”سباس گل“ کا نام دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ ”اعتبار عشق“ کی طرح آپ کا یہ ناول بھی عمدہ اور بہترین شروعات لیے نظر آیا، تو دوسری جانب ”دلوں کا مل کر بچھڑنا“ اس کی بھی شروعات اچھی تھی۔ اب آتی ہوں افسانوں کی طرف ”تم سے مل کر جانا“ میں نے کہ ”محبت شریک سفر میری“ تھی، پیاری ”ماں“ پر ”میں پشیماں تیرا“ ۔ ”اندھی تقلید“

کی پیروی میں ہم کیوں بھول گئے کہ ”سانسوں کی مالا“ بہت مختصر ہے۔

اب تھوڑا تفصیلی تبصرہ حاضر ہے: اپریل میں حامل ناولٹ اچھا تھا ”کس دیس میں ہے میرا دل“ نام ڈرامائی پر اینڈنگ یکسر مختلف، ویری نائس سحر مبین! افسانوں میں اس بار ٹاپ آف لسٹ ”اندھی تقلید“ اور ”میں پشیماں تیرا“ سپر ہٹ رہے۔ جبکہ سدرہ اصغر علی نے کوشش اچھی کی۔ رضوانہ جی! آپ نے ایسے نام کہاں سے ڈھونڈے، شروع میں تو سمجھ ہی نہ آیا خزیمہ اور عروشمہ آیا لڑکیوں کے نام ہیں یا لڑکوں کے۔ خیر آپ نے بھی عمدہ لکھا۔ مستقل سلسلے سب ہی اپنی جگہ زبردست تھے۔ ہر بار کی طرح سندیسے پڑھ کر مزہ آیا۔ مجھے بھی ان سلسلوں میں جگہ دینے کا شکریہ۔ روحان دانش واؤ....ایک بہت عمدہ سرپرائز ابن آس سے ملاقات اور ان کی باتیں پڑھ کر اچھا لگا۔ ردا کی دونوں شہزادیوں حافظہ مون شاہ اور رابعہ افضال خان سے بھی ملاقات اچھی لگی۔ جبکہ نقش فریادی میں محفوظ الحسن کی ”بیٹیاں“ نظم بہت پسند آئی۔ صبا سحر! مجھے آپ کی دوستی منظور ہے۔ آپ کی دوستی کی اس پیاری سی آفر کو تہہ دل سے افشاں علی نے قبول کیا۔ موسم گرما کے حوالے سے کچن اور سنگھار میں دی گئی Tips بہت پسند آئیں۔ امید برحق ہے ہر بار کی طرح پھر سندیسے میں جگہ عنایت ہوگی، بہت ساری دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت! آپ سب کی رائے کی منتظر۔

یاسمین آفریدی............کراچی

السلام علیکم! اپیا جی! آپ کا ردا ڈائجسٹ میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے، اس لیے اس کی تعریف لکھنے کے لیے مجھے اپنا قلم اٹھانا پڑا۔ گوشہ آگہی سے لے کر سنگھار تک ہر تحریر حرف بہ حرف پڑھتی ہوں کافی معلومات نالج میں آتی ہیں، سلسلے وار کہانی، ناولٹ، یا افسانہ ہو سب ہی زبردست، مائنڈ بلوئنگ ہے۔ سعدیہ آپی! اسجد اور مائدہ کے رول کو تو آپ نے بالکل گول کر دیا، پلیز پلیز ان کے بارے میں بھی اب لکھنا شروع کریں، مجھے زرمیل اور آفریدی بہت اچھے لگتے ہیں جبکہ زرمیل پر غصہ بھی آتا ہے اپنی پیار کرنے والی بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، آپی! منصور اور ماہی کی کہانی بالکل میری لائف پر بنی ہے میری لائف بھی ٹھیک اسی طرح کی ہے، خیر پڑھنے کی حد تک تو منصور اور ماہی کا اچھا لگا ہے مگر حقیقت میں مجھے بہت تکلیف دے گیا، اور میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، پلیز میرا خط ردا کی زینت بنایئے گا آپ تو مجھے مایوس مت کرنا، زندگی سے تو ویسے بھی مایوس ہو چکی ہوں، سب لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو میرا سلام قبول ہو۔

مهک گل..................کراچی

السلام علیکم! پیاری سی صالحہ آپی! سب سے پہلے آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا خط ردا میں شامل کیا، میں بہت خوش ہوں اور اتنی خوشی ہوئی جب اپنا خط ردا میں دیکھا تو زور سے چیخ ماری جس کی وجہ سے پاس کھڑی اکلوتی بھانجی زونائشہ نے بھی چیخ ماری، مگر خوشی کے مارے نہیں بلکہ ڈر کے مارے آپی! تو بہن سے کافی ڈانٹ سننی پڑی خیر وہ ڈانٹ تو میں نے خوشی سے قبول کی کیونکہ اس وقت اپنے خط کی خوشی حواسوں پر سوار تھی، آخر میں آپ کا پھر سے تھینکس۔

چلیں اب آتی ہوں گوشہ آگہی کی طرف، گوشہ آگہی میں آپ کی پیاری نصیحت بھری باتیں دل کو بھا جاتی ہیں، سلسلے وار میں سعدیہ آپی! یہ آپ نے بڑا ہی برا کیا فضیل کے ساتھ، اچھی خاصی لائف گزر رہی تھی مگر اچانک سے یہ سب کیا

ہوا؟ افسانوں میں سب کے افسانے پڑھ کر بڑا اچھا لگا۔ افشاں علی کا سندیسہ پڑھ کر بہت مزہ آیا، جہانہ آفتاب اور رضوانہ آفتاب! آپ کی کہانیاں بھی بہت زبردست ہوتی ہیں، قمروش شہک کی کہانی میں مجھے آفریدی کا کردار بہت پسند ہے مجھے پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے یہ اپنا کرکٹر بوم بوم آفریدی ہو، میں تو اس کا ہی عکس لیے کہانی کو پڑھتی ہوں، باقی صالحہ آپی! آپ کی تو بات ہی کچھ اور ہے، بڑی رائٹر ہیں اس لیے آپ کے لیے میرے پاس تعریف کے الفاظ بھی نہیں، آپ کی ہر تحریر چاہے وہ گوشہ آگہی ہو یا ردائے جنت یا پھر کہانی سے منسلک ہو سب ہی بڑی لاجواب ہوتی ہیں۔ قمروش شہک کا ہیرو بھی پیارا اور ہیروئن بھی پیاری، اب پڑھنے میں مزہ اور بھی آئے گا، اسی طرح سے آفریدی اپنا بھرم باز غصے سے بھرپور کردار باخوبی نبھاتا رہے مجھے ایسے ہی کردار اچھے لگتے ہیں۔ آپی! میں بھی کہانی لکھ کر بھیج رہی ہوں اگر آپ کی اجازت ہے تو جواب پلیز ضرور دیجیے گا، کیونکہ میں بھی اپنی کہانی کو ردا میں سجا سنورتا دیکھنا چاہتی ہوں، خط کافی لمبا ہو گیا ہے ایسا نہ ہو سر چھت سے ٹکرا جائے اب اجازت چاہتی ہوں، دوبارہ آنے کے لیے انشاء اللہ۔ سب پڑھنے والوں کو مہک گل کی طرف سے چاہت بھرا اسلام قبول ہو۔

جواب: سویٹ مہک گل! آپ کی خوشی کا سن کر ہمیں بھی بے حد اچھا لگا، آگے بھی آپ ردا کی سندیسوں کی محفل میں شامل ہو سکتی ہیں، اور اپنی لکھی ہر تحریر ردا میں بھیج سکتی ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ اس ماہ آپ کا افسانہ شامل اشاعت ہے۔

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین...کراچی

ڈیئر صالحہ آپی! السلام علیکم! آپ ہمیشہ اسی طرح ہنستی مسکراتی رہیں اور ردا کے آسمان پر آپ کا ستارہ ہمیشہ چمکتا دمکتا رہے، ردا ماشاءاللہ دن بہ دن نکھرتا جا رہا ہے اور اس کا سایہ ہم نوجوانوں کے لیے ٹھنڈی میٹھی چھاؤں کی طرح ہے ویسے تو ردا کے سارے سلسلے خوبصورت ہیں مگر گوشہ آگہی میں آپ کی نصیحت بھری میٹھی باتیں واقعی مجھ پر آگہی کے در وا کرتی ہیں اور زندگی گزارنے کی پرکھ اور ڈھنگ سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ نائلہ طارق کا ناول میرا سب سے فیوریٹ سلسلے وار ناول ہے کیا کمال کے جملوں کی ادائیگی کرتی ہیں آپ! زبردست، اور میں اپنی نئی رائٹر ساتھی افشاں علی کی بھی تعریف کروں گی آپ کی تحاریر میں نے پڑھی ہیں، اس میں الفاظوں میں گرفت اور خوبصورت منظر نگاری....آپ بہت اچھی طرح نمایاں کرتی ہیں، آپ کے تعارف کو پڑھ کر آپ کی بہت سی باتیں اور سوچ کے انداز میں مجھے اپنی جھلک نظر آئی، آپ کی سوچ اور انداز تحریر بہت ہی مثبت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک اچھا اضافہ ہے اسی طرح لکھتی رہیں اور اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیے گا، میں بھی آپ کے شہر کراچی کی رہنے والی ہوں اور آج سے آپ میری قلمی دوست ہیں، امید ہے آپ میری پرخلوص دوستی کو قبول کریں گی آخر میں صالحہ آپی اور ردا کی تمام ٹیم کے لیے ایک دعا:

خدا تجھے عروج ایسا نصیب کرے
کہ

فلک تیرے نصیب پر رشک کرے
ہر موڑ پر فرشتے ہوں ساتھ تیرے
ہر غم سے حفاظت تیری خدا کرے (آمین)

جواب: سویٹ فرزانہ! آپ کی دو تحاریر مل گئی ہیں قریبی اشاعت میں شامل ہوں گی، آپ کی محبتوں اور پیار کا بہت شکریہ، خوش رہیے۔

عانیہ نیازی..............ربوہ

آداب مائی لولی اینڈ سویٹ آپی! اور دیگر ردا اسٹاف وقارئین ورائٹرز۔ کافی عرصے بعد سندیسے کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں، مجھے یقین ہے آپ سب نے مجھے مس کیا ہوگا ہے ناں؟ ارے خوش فہمی اچھی چیز ہوتی ہے، ورنہ زندگی کے دکھ تو سانس نہ لینے دیں، چلیں جی اب بات ہو جائے اپریل کے ردا کی۔ ٹائٹل اچھا تھا آمنہ کریم کا پوز خوبصورت لگ رہا تھا، پھر ہم گوشہ آگہی کی جانب بڑھے جہاں آپی ہمیشہ کچھ نہ کچھ خاص لیے ہوتی ہیں، اور اس بار جس بات پر آپی! آپ نے لکھا وہ خودکشی تھی اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ لوگ آپس میں ڈسکس کریں اور اس بات کو آگے بھی بڑھائیں، آپی! ہم سب کزنز نے بھی اس پر کافی آپس میں بحث کی۔ آپ کا کہنا بالکل بجا ہے کہ حالات سے بھاگنے کے بجائے حالات کا مقابلہ کرنا اصل بہادری ہے خودکشی کسی مسئلے کا حل نہیں، کسی کے مرنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا، زندگی چلتی رہتی ہے، بس وہ انسان زندگی سے چلا جاتا ہے، مگر آج کل کے حالات جو چل رہے ہیں انسان نے اس کو آسان حل سمجھ لیا ہے، خدا سب کو ہدایت دے اور اس عمل سے باز رکھے۔ اب بات کرتی ہوں ردا کے ناولز، افسانوں کی، تو سلسلے وار میں اس بار بھی قمروش آپی کی قسط سوپر تھی، اور مجھے ژالے اور زرمیل کے کردار اچھے لگتے ہیں خاص کر ژالے کا چڑنا اور غصہ کرنا اور وانیہ والا پورشن مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا کہ آفریدی کیوں وانیہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ "تجھ سے مانگوں میں تجھ کو" بھی اچھا جا رہا ہے خوشنما نام مجھے بے حد اچھا لگا اور ہیشم بھی۔ شازیہ آپی! ہیشم نام کے معنی ضرور بتائیے گا۔ "اعتبار تجھی آ ہی جائے گا" سباس گل اپنے مخصوص انداز میں لکھ رہی ہیں رومانٹک پہلو کے ساتھ وہ ضرور کوئی معاشرتی برائی کو اپنے ناول میں اپنے قارئین سے شیئر کرتی ہیں تاکہ لوگوں کو آگاہی حاصل ہو۔ مکمل ناول اس بار ایک تھا مگر کافی زبردست تھا اور اینڈ تو ایسی جگہ ہوا کہ تجسس برقرار ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ ناولٹ میں "کس دیس میں ہے میرا دل" ٹھیک لگا۔ افسانوں میں سب ہی افسانے اچھے تھے اور مستقل سلسلوں کے تو کیا کہنے، ایک سے بڑھ کر ایک اور تعریف کے قابل، بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

عاصمہ رشید..........فیصل آباد

السلام علیکم آپی اور سب پڑھنے لکھنے والوں کو۔ میں شاید کبھی سندیسہ نہ لکھتی مگر اس بار کے گوشہ آگہی نے روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں قلم اٹھانے پر مجبور ہو گئی۔ آپی! آپ نے خودکشی پر لکھا آپ نے بالکل سچ لکھا کہ خودکشی کرنے والا نہ صرف اپنی جان سے جاتا ہے بلکہ خدا کے عذاب کا بھی مرتکب ہوتا ہے اس دکھ کو مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے کہ میری کزن نے بھی جذبات میں آ کر یہ قدم اٹھالیا گھریلو ناچاقی پر۔ اور ہم سب کو دائمی جدائی کا دکھ دے کر نوجوانی میں ملک عدم کی راہی ہو گئی۔ بات آپی! صرف اتنی ہے کہ ہم انسانوں میں صبر اور برداشت ختم ہو گئی ہے، ہر کوئی بس فوری اور ہر مسئلے کا حل جلد سے جلد چاہتا ہے مگر ہم نے یہ غور کرنا چھوڑ دیا ہے کہ ہماری اسلامی تعلیمات ہمیں کیا سکھاتی ہیں؟ صبر و تحمل، برداشت مگر وہی آج لوگوں میں ختم ہو گیا ہے، میری تمام پڑھنے والوں سے ریکوئیسٹ ہے کہ پلیز زندگی خدا کی نعمت ہے، سو اسے ضائع نہ کریں نیک عمل کریں اور صبر و برداشت سے زندگی کی جو بھی مشکلات ہیں اسے فیس کریں، وہ خدا دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے سو ہم کون ہوتے ہیں؟ خود فیصلے کرنے اور نتائج نکالنے والے؟ ہماری اوقات کیا ہے؟ ہم بے بس انسان ہیں اور خدا کے بتائے راستے پر چل کر ہی فلاح و کامیابی پا سکتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ جو انسان

دن میں پانچ بار اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہو وہ کبھی زندگی سے مایوس نہیں ہوسکتا کہ ایک در بند ہوتا ہے تو سو در کھلتے ہیں، آپی! میرا سندیسہ کافی طویل ہوگیا، مگر مجھے یہ سب آپ سے اور ردا کے قارئین سے شیئر کرنا تھا کہ یہ بہت ضروری تھا میری نظر میں، اب بات کرتی ہوں ردا کی تو ردا کے تمام ناولز، افسانے، ناولٹ اور مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بیسٹ آف دی بیسٹ رہے اور ماشاءاللہ سے ردا دن بہ دن نکھرتا اور خوبصورت ہوتا جارہا ہے خدا ردا کو اور ترقی اور کامیابی عطا کرے (آمین)

عظمیٰ احمد............ملتان

السلام علیکم! ڈیئر صالحہ آپی! اور پیاری پیاری قارئین ردا! پہلی بار خط لکھنے کی جسارت کررہی ہوں، اس امید کے ساتھ کے خط ردی کی ٹوکری کی نذر کرنے کے بجائے آپ ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ہمیں ردا میں تھوڑی سی جگہ ضرور دیں گی تین چار سال سے ردا کی مستقل قاری ہوں، تمام قسط وار کہانیاں اپنی مثال آپ ہیں، قمر وش آپی کا ”تیرے پیار کی خوشبو“ میرا فیوریٹ ناول ہے، مگر کچھ چیزیں حقیقت سے دور لگیں، مقسوم والا پورشن کہ کوئی لڑکی اتنی بھی معصوم نہیں ہوسکتی کہ دوست کی خاطر شادی کرلے۔ مکمل ناول میں ”دلوں کامل کر بچھڑنا“ نام کافی امپریسیو لگا مجھے یقین ہے اختتام بھی خوبصورت ہوگا۔ ابھی ڈائجسٹ مکمل نہیں پڑھا، صرف سلسلے وار ہی پڑھے اور سندیسہ لکھنے بیٹھ گئی کہ کہیں لیٹ نہ ہوجاؤں، اس لیے مکمل تبصرہ بھی نہیں کرسکتی، باقی ردا کے تمام مستقل سلسلے بہت اچھے ہیں، دوستوں کے نام پیغام، ردا کی شہزادیاں مجھے زیادہ اچھے لگتے ہیں، میرے سندیسے کو ردا میں ضرور جگہ دیجیے گا آئندہ انشاءاللہ بھرپور تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔

جواب: سوئیٹ عظمی! ہم آپ کو ردا کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگلی بار آپ بھرپور تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔

نور بانو............کوئٹہ

سوئیٹ سی اپیا اور ردا کے پیارے سے قارئین کو نور بانو کا پیار بھرا اسلام اور بہت سی دعائیں۔ بہار کی آمد کے ساتھ ہی خوشگوار سی مسکراہٹ لیے دلکش سی آمنہ کریم ٹائٹل پر بہت اچھی لگ رہی تھیں، ماہ اپریل کا شمارہ اپنی تمام تر تحاریر کے ساتھ اچھا رہا، خاص کر اس بار افسانے کافی سبق آموز اور حقیقت کا آئینہ دکھاتے نظر آئے ویل ڈن رائٹرز! اور سلسلے وار ناولز کے تو کیا کہنے، ہر ناول کی قسط زبردست رہی، مجھے پرسنلی ”تیرے پیار کی خوشبو“ اور ”اعتبار بھی آ ہی جائے گا“ کی اقساط زیادہ اچھی لگیں، باقی سب نے بھی بھرپور لکھا۔ ”دلوں کامل کر بچھڑنا“ خوبصورت انداز لیے ہوئے تھا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟ ردا کے مستقل سلسلے مجھے سارے ہی اچھے لگتے ہیں، جہاں قارئین کا انتخاب شامل ہوتا ہے اور ان کے ذوق کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور ماشاءاللہ سے ردا میں شامل تمام قاری بہنیں بھی بہت باذوق ہیں سب کا انتخاب اور پسند لاجواب ہوتی ہے، ذرا پھر سے کہنا میں شعراء کا کلام بھی بے حد اچھا ہوتا ہے اور ردا کی شہزادیاں میں ملاقات بھی اپنی قاری و رائٹرز بہنوں سے ہوجاتی ہے، آپی! ماشاءاللہ سے ردا بہت اچھا ہوگیا ہے اور اس میں شامل نیو سلسلوں نے تو اس میں چار چاند لگادیے ہیں۔

صبا عبدالغنی............کراچی

مئی کی جلتی دھوپ میں صالحہ آپی، نورین آپی، ردا اسٹاف، رائٹرز اور ریڈرز کو میرا فریش فریش، نکھرا نکھرا اسلام پرخلوص قبول ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! سب سے پہلے تو میں بات کرتی ہوں گوشہ آگہی کی، تو صالحہ آپی! کیا کہوں آپ کے الفاظ اتنے خوبصورت اور بامعنی ہوتے ہیں کہ ساری تحریریں ایک طرف اور گوشہ آگہی ایک طرف، تو زیادہ ہم گوشہ آگہی سے سیکھتے ہیں۔ پھر چلتے ہیں اس ناول کی طرف جو اب تک کے تمام ناولز میں سب سے اچھا لگ رہا ہے اور وہ ناول ہے قمروش آپی کا ”تیرے پیار کی خوشبو“ ریئلی سپرہٹ ناول ہے۔ قمروش آپی! میں آپ سے ناراض ہوں، اس لیے کہ اب تک آپ نے آفریدی کی اصلیت نہیں بتائی اور سومی.... اس کا کیا ہوا؟ اور وہ مقسوم .... ہاں مقسوم کا ماضی بھی پلیز جلدی بتایئے، ورنہ میرا مارے تجسس کے دم ہی نکل جائے گا، بہت کرلی قمروش آپی کی تعریف۔ اتنی سوئیٹنس سے کہیں انھیں شوگر ہی نہ ہوجائے۔ اجی کیا کریں ہم ہیں ہی اتنے سوئیٹ۔ شازیہ آپی! آپ کا ناول ”تجھ سے مانگوں میں تجھ کو“ بہت زبردست جارہا ہے۔ ”جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے“ سچ اس ناول کو پڑھ کر مجھے سچ مچ عشق ہوگیا۔ (نائلہ آپی سے کڑیوں! کچھ اور نہ سمجھو) سعدیہ آپی! آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ آپ کا ناول بھی بہت زبردست جارہا ہے، مگر فضیل جیسے سمجھدار بندے سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ زرمین کو چھوڑ کر اتنا دور چلا جائے گا۔ بہت دکھ ہوا فضیل کے اس اقدام پر۔ اس ناول میں مجھے حنین، ماہ کنعان، ارحم الحسن اور ماہ لاج کا کردار زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ”اعتبار بھی آ ہی جائے گا“ سباس آپی! بہت زبردست ناول ہے آپ کا۔ احتشام کی شوخیاں اور رابی کا حوصلہ بہت متاثر کررہا ہے، ویلڈن آپی! مکمل ناول ”دلوں کامل کر بچھڑنا“ نزہت ناز! آپ نے بھی بہت خوب لکھا، آخر میں جاری ہے دیکھ کر میرا منہ خربوزے کی طرح پھول گیا۔ ناولٹ ”کس دیس میں ہے میرا دل“ سپرہٹ تھا، مگر اینڈ دکھی تھا اس لیے میں بھی دکھی ہوگئی۔ افسانوں میں ماں، سانسوں کی مالا اور میں پشیماں تیرا سپرہٹ تھے۔ باقی مستقل سلسلوں میں سارے سلسلے اچھے تھے۔ حافظ مون شاہ، رابعہ افضال خان اور ابن آس سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ ردائے جنت، ردا کی ڈائری، ذرا پھر سے کہنا، خوشبو، اس ماہ میں، نقش فریادی، سندیسے، کچن، سنگھار، اشعار اور دوستوں کے نام پیغام سب ہی بہترین لگے، الغرض یہ کہ پورا ردا ہی بہترین تھا۔ صالحہ آپی! میری طرف ردا 6 سے 8 تاریخ تک ملتا ہے، پھر ردا پڑھنا سندیسہ لکھنا اور پوسٹ کرتے کرتے 10 سے تاریخ آگے بڑھ جاتی ہے، مگر پلیز میرا سندیسہ شامل کردیا کریں، آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت کہ ردا یوں ہی ترقی کی راہ پر گامزن رہے (آمین) اللہ حافظ!

وش آفریدی............کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی! سدا خوش رہیں، اپریل کا خوبصورت ردا دلکش سرورق کے ساتھ ملا خوشی ہوئی آپ کا ناول ”وہ جو رگ جاں سے قریب تھے“ پڑھا بہت خوبصورت طریقے سے اینڈ ہوا۔ اسی طرح لکھتے رہیے اور ہمیں اسی طرح خوبصورت کہانیوں سے نوازتے رہیے، ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو دن دگنی رات چوگنی کامیابی عطا فرمائے آپ کی ہر دلی خواہش پوری ہو۔ سعدیہ عابد کا ناول ”بند قبا کھلنے لگی“ پڑھا بہت مزہ آیا اور بہت پسند آیا ایسا لگا یہ کردار میرے آس پاس ہوں۔ اسی طرح لکھتے رہیے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ۔ اب باقی ناول کی طرف آتی ہوں اور تمام ناول بھی بہت اچھے تھے۔ جیسے کہ تیرے پیار کی خوشبو، ”دلوں کامل کر بچھڑنا“ بہت اچھے تھے۔ افسانے بھی اچھے تھے، پڑھ کر مزہ آیا۔ آپی! میرا سندیسہ ضرور ردا میں شامل کیجیے گا، پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، بہت امیدوں کے ساتھ لکھا ہے۔ لکھنے کو تو بہت کچھ ہے آپی! مگر خط لمبا ہوجائے گا۔ اپیا! آخر میں بس اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ردا یوں ہی ہمیشہ مہکتا اور سنورتا ہمیں ملتا رہے اور یوں ہی دن رات ترقی کی راہوں پر گامزن رہے (آمین)

☆............☆............☆

ردا کی شہزادیاں

اقراء چنا............کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی، نورین آپی اور ردا کے تمام اسٹاف کو اور تمام قارئین کو میرا سلام! نورین آپی! بہت بہت شکریہ مجھے اس سلسلے میں شامل کرنے کے لیے۔ بہت خوشی ہوتی ہے جب کوئی اتنی اپنائیت اور اتنا پیار دیتا ہے۔

تو قارئین! میرا نام اقراء چنا ہے، میں شہر کراچی سے تعلق رکھتی ہوں، ہم پانچ، دو بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ میں چوتھے نمبر پر ہوں۔ ڈیٹ آف برتھ میری 26 مارچ ہے، دنیا کی سب سے خوبصورت ہستیوں، امی اور ابو سے مجھے بے پناہ محبت ہے۔ سب بھائی بہت خیال رکھنے اور پیار کرنے والے ہیں۔ آپی اور میرے درمیان ایجز کا فرق تو بہت ہے مگر پھر بھی ہم ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں، وہ مجھے ہر طرح گائیڈ کرتی ہیں اور میں بھی ہر طرح کا مشورہ ان ہی سے لیتی ہوں، باقی میری تمام فیملی بہت اچھی ہے۔ اور چھوٹی ہونے کے ناتے سب ہی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ مادری زبان میری سندھی ہے، تعلیم کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔

ہزاروں لوگوں کی طرح مجھے بھی اسٹارز پر یقین نہیں ہے، پر کہتے ہیں کہ کبھی کبھی اسٹارز کی باتیں بھی سچی نکلتی ہیں۔ شاعری سے اتنا لگاؤ نہیں ہے، ہاں مگر مجھے مرزا غالب کو پڑھنا ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔ کھانے کی ایک حد تک شوقین ہوں، ویسے جو مل جائے، کھا لیتی ہوں، مگر میٹھا بالکل پسند نہیں، آئسکریم کے علاوہ۔

تنہائی میں رہنا زیادہ پسند ہے، شور و غل پسند نہیں ہے، موسم مجھے سب ہی، سردیاں اور گرمیاں پسند ہیں۔ کیونکہ جب گرمیاں ہوتی ہیں تو میں کہتی ہوں کہ سردیاں اچھی ہیں اور جب موسم سرما ہو تو میں کہتی ہوں، گرمیاں اچھی ہیں۔ خوابوں میں دیکھنے والی چیزوں سے بہت محبت ہے، جیسا کہ رنگ، خوشبوئیں، بادل، پھولوں کی مہک، جھولے، تتلیاں، بارش.... اس کے علاوہ میں بہت حقیقت پسند بھی ہوں۔ کسی چیز کو خود پر زیادہ حاوی نہیں ہونے دیتی۔

میں ہر وقت خوش رہنے اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہوں، دوسروں کو ہنسانا، خود خوش رہنا، زندگی کا ایک بہت خاص حصہ ہے میرے لیے۔ لیکن بری عادت یہ ہے کہ غصہ اور رونا جلدی آ جاتا ہے، اور باتوں کو جلدی دل پر لے لیتی ہوں، اگنور نہیں کیا جا سکتا جلدی۔ مجھے لکھنے کا بہت پہلے یعنی بچپن سے ہی شوق تھا، جب بھی آپی کو لکھتے دیکھتی تو خود بھی لکھنے بیٹھ جاتی، میری پہلی تحریر میرا ناولٹ، ردا ڈائجسٹ میں ہی شائع ہوا۔ وہ دن میری زندگی کا بہت خاص اور خوبصورت دن تھا، پھر وہیں سے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں صالحہ آپی، نورین آپی، تمام اسٹاف اور تمام قارئین کا جنھوں نے مجھے جگہ دی۔

میرے مکمل ناول ''تم ہو گئے میرے'' کو جتنا سراہا گیا، میں نے اتنا expect بھی نہیں کیا تھا، سو میں تمام پڑھنے والوں کو تھینک یُو کہوں گی۔ آج کل زندگی کچھ مصروف گزر رہی ہے۔ نورین آپی نے بہت پہلے مجھے ''ردا کی شہزادیاں'' میں لکھنے کو کہا تھا، مجھے یہ سلسلہ بہت پسند آ رہا ہے اور ان دنوں اللہ نے ہمارے گھر دو رحمتیں دو بھتیجیوں کی صورت بھیجی ہیں، بڑی کا نام فاطمہ اور چھوٹی منہا ہے۔

میری دوستی بہت کم لوگوں سے ہوتی ہے، خود ہاتھ نہیں بڑھاتی (اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں مغرور ہوں، بس یہی فطرت ہے) اسی لیے میری دوستوں کی تعداد بہت کم ہے، صائمہ نذر میری بیسٹ فرینڈ ہے۔

مہندی و چوڑیاں، بجنا سنورنا بہت کم کرتی ہوں اور آخر میں یہی کہوں گی کہ خوشیاں بانٹنا سیکھیے، کیونکہ آپ سے ہی دوسروں کی خوشیاں ہیں، ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھیں، کیونکہ ہمارے ساتھ جو بھی ہوتا ہے اس میں اللہ کی طرف سے ہمارے لیے بہتری ہوتی ہے، مشکل وقت میں بھی خوش رہنا، اور اللہ پر امید باندھے رہنے والا ہی ایک سچا انسان ہے۔ خدا کرے آپ کا اور ہمارا ساتھ ہمیشہ رہے (آمین) دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ!

رابعہ منیر............ سرگودھا

میری پیاری اور سویٹ سی بہنوں! ردا کے دربار میں ایک اور شہزادی قدم رنجا فرمانے کی جسارت کر رہی ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ مجھے دل سے ویل کم کہیں گی، نام سے تو آپ واقف ہو ہی چکے ہوں گے، رابعہ منیر ردا کے مستقل سلسلوں میں کبھی کبھار شامل ہونے کا مجھے بھی شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ جی تو اب تعارف کی رسم نبھائی جائے، میرا نام رابعہ منیر ہے اور کاسٹ وائز ہم سیال ہیں سرگودھا جیسے خوبصورت شہر کی باسی ہوں اور اپنے بابا کی لاڈلی بیٹی، مجھ سے چھوٹی صدف اور پھر دو بھائی ہیں، عزیر اور عمیر۔ تینوں ہی زیر تعلیم ہیں، میرے بابا ہم سے بے حد محبت کرتے ہیں اور ہمارے لیے دن رات محنت بھی۔ بابا اپنے گھر کے بڑے بیٹے تھے تو دادا جان کی وفات کے بعد ساری ذمے داری ان پر ہی آ گئی سو وہ دنیاوی تعلیم تو زیادہ نہ حاصل کر سکے مگر ان کا مطالعہ بے حد وسیع ہے اور مجھے کبھی کبھی اپنے بابا میں اشفاق احمد کے بابا جی نظر آتے ہیں جو عام فہم باتوں میں بہت پتے کی باتیں کر جاتے ہیں، اب اپنی بات کرتی ہوں، مجھے بہار کا موسم بہت پسند ہے اور بارشیں بھی دل کو خوشگوار سا احساس دیتی ہیں ڈریسز میں مجھے لانگ شرٹ اور ٹراؤزر اور بڑے دوپٹے پسند ہیں اور جیولری میں مجھے بریسلٹ اور کانوں کے بالے پسند ہیں۔ فارغ وقت میں کمپیوٹر پر فیس بک یوز کر لیتی ہوں یا پھر کوئی کتاب پڑھ لیتی ہوں۔ میں دوست نہیں بناتی، بس اگر کوئی بات کرے تو جواب دے دیتی ہوں اور اپنی باتیں اپنے پرابلم صرف اپنے رب سے شیئر کرتی ہوں کہ میں جانتی ہوں وہ ہم سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے تو جب ہم اپنی ماں کی محبت پر کبھی شک نہیں کر سکتے تو وہ رب تعالیٰ تو بے نیاز ہے ناں، اس کی محبت بھی ہم سے بے مثال ہے، جو ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کرتا ہے۔ امی میری سادہ سی ہیں اور بابا کی طرح بہت نرم دل، ملنسار اور عاجزی والی خدا تعالیٰ میرے والدین کو لمبی عمر عطا کرے اور انھیں بہت سی خوشیاں دکھائے (آمین)

میں نے بہت سے ناولز پڑھے ہیں اور کافی سارے میرے پاس کتابی شکل میں بھی ہیں جو میری تنہائی کے بہترین رفیق ہیں۔ صالحہ آپی کے دونوں ناولز، کچی کلیاں آنگن کی، تم میرے ہو کے رہو، میرے پاس ہیں اور میں انھیں کئی بار پڑھ چکی ہوں۔ آپی کے لفظوں میں ایک جہاں آباد ہوتا ہے نئے نئے معانی کا، خدا کرے زور قلم اور زیادہ، مجھے لوگوں سے زیادہ ان کے لہجے اور لفظ متاثر کرتے ہیں کہ وہ کیا اور کس لہجے میں کیا بات کر رہے ہیں، بقول مفکر ''لفظوں کے دانت نہیں ہوتے مگر وہ کاٹ لیتے ہیں''۔ سو میرا یہی کہنا ہے کہ بولنے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ ہمارے لفظوں سے کسی کی دل آزاری تو نہیں ہو رہی کہ ہر دل میں خدا بستا ہے۔ جی تو میری پیاری بہنو! یہ تھی آپ کی رابعہ منیر.... مجھے بتائیے گا ضرور کہ آپ کو مجھ سے ملنا، بات کرنا کیسا لگا؟ اور اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد

آپ کو بہار ملے آپ ہمیشہ شاد رہیں، آباد رہیں آپ کو زندگی سے اتنا پیار ملے کہ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں (آمین)

شازیہ مغل......لاہور

ماں باپ کے نام

عظیم ماں تجھے سلام
عظیم باپ تجھے سلام
تمہاری بانہوں میں پلے ہیں ہم
تم ہی سے ہماری دنیا
تم ہی سے ہیں آباد ہم
ہمیں پیار سے تم نے پالا ہے
ہر مشکل سے ہمیں نکالا ہے
جھیل کے گرمی سردی کو خود
ہمیں لوری دے کر سلایا ہے
عظیم ماں تجھے سلام
عظیم باپ تجھے سلام

مہک گل......کراچی

بے وفا کے نام

بعض لوگ محبت میں اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کو اپنے اردگرد کے حالات کی بھی خبر نہیں ہوتی ہے اور ان لوگوں کو بیچ راہ میں ٹھوکر لگتی ہے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور رو رو کر اپنی محبت کی فریاد کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ اس وقت یاد آتا ہے جب ان کو اپنی کوئی خواہش کرنی ہوتی ہے ایسے لوگ کبھی بھی اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوتے ضرورت پڑی تو اللہ کو یاد کرلیا اور ضرورت نہ پڑی تو اللہ سے غافل ہوگئے۔ اللہ کو ہر وقت اپنے یاد کیا کرو، اور اسی سے اپنی ہر دعا مانگو کیونکہ وہ ہماری دعاؤں کو رد نہیں کرتا ہے، پھر اسے کہتے ہیں اصل محبت۔

یاسمین آفریدی......کراچی

میرے ہمسفر کے نام

میرے جیون ساتھی مجھے تم سے کتنی محبت و چاہت ہے یہ شاید میں کبھی ڈسکرائب نہ کر پاؤں۔ میرا تمہیں تنگ کرنا، چلبلا پن کرنا، شرارتیں کرنا، تمہیں ستانا، سب میری چاہتوں کا حصہ ہے۔ میں کیا کروں، میری فطرت میں ہی چلبلا پن ہے۔ جب تم سیریس ہوتے ہو تو تب تمہیں ستانے میں جو مزہ آتا ہے وہ تو میں بتا ہی نہیں سکتی، تم بہت کیئرنگ، لونگ پرسن ہو۔ مجھے اپنی امی ابو کی چوائس پر فخر ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اپنوں کا ساتھ اور خوشگوار لمحات زندگی کے سفر کو آسان کر دیتے ہیں۔ خوبصورت اور حساس دل رکھنے والے کیئرنگ لوگ (میرے ہمسفر جیسے) اپنے سے وابستہ لوگوں کی زندگی کو بھی آسان اور خوشگوار بنا دیتے ہیں۔

نہیں ہے حوصلہ مجھ میں تمہیں کھونے کا
یہ دنیا مجھ کو کھو دے گی اگر تم کھو گئے مجھ سے

اللہ پاک میرے ہمسفر کو ہمیشہ اپنی رحمت کے سایہ حفاظت کے حصار میں رکھے (آمین)

تمہاری چلبلی جیون ساتھی۔

ریما نور رضوان......کراچی

سویٹ آپی اور بھائیوں جیسے بہنوئی کے نام

Happy Wedding Anniversary

ہے نا سرپرائز؟ اس دعا کے ساتھ کہ:

تمہاری صبح منور ہو شب قمر کی طرح
تمہاری رات روشن ہو صبح نور کی طرح
کوئی بہشت کا پتہ پوچھے تو ہنس کے کہو
ہاں وہ بھی ایک گھر ہے ہمارے گھر کی طرح

فرح ناز رفیق......کراچی

☆..........☆..........☆

نقشِ فریادی

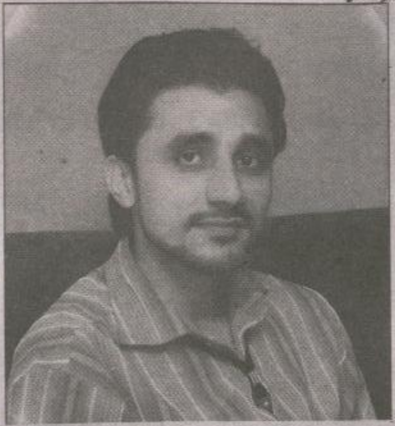

گاؤں (نظم)

کوئی پھر ہم کو بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
یاد بچپن کی دلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
جس کی چھاؤں کی ٹھنڈک ممتا کی جھلک
نیم کا پیڑ بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
بھینی خوشبوؤں سے مہکتا تھا باورچی خانہ
ساگ سرسوں کا بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
صبح سے شام جہاں رونق سی لگی رہتی تھی
عید کا میلا بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
جو کبھی باغ کے مالی سے بچاتا تھا مجھے
پھر وہی یار بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
جس کے آتے ہی کھل اٹھتے تھے سارے چہرے
بھیگا ساون وہ بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
آج بھی یاد ہے ہمیں پائیلوں کا گنگنانا
سُونا پنگھٹ بھی بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں
اب اس کانچ کے گھر میں سانس گھٹتی ہے حَسن
گھر وہ مٹی کا بلاتا ہے چلو گاؤں چلیں

☆☆

دوست (نظم)

چاند کو دیکھا ہے بڑھتا گھٹتا میں نے
دیکھا ہے سورج کو بھی گرہن لگتا میں نے
دیکھا روز رات کا دن پے غالب ہونا
خزاں کا بہار کے رستے میں حائل ہونا
موجوں کے بانکپن کو نظر لگتے ہوئے دیکھا
پیاس سے سمندر کو ترستے ہوئے دیکھا
سبز پتوں کو زرد ہو کے پتے دیکھا
موسموں کو بھی روتے بھی ہنستے دیکھا
ایک تم ہو جو سب سے الگ لگتے ہو
کسی ولی کی دعاؤں کا ثمر لگتے ہو
چہرا شفق سے زیادہ چمکتا ہے سدا
آنکھیں سورج سے زیادہ دہکتی ہیں سدا
تم خود ہی اندھیرے کو منور کر دو
بہار بن کے چمن کو معطر کر دو
تم ہی تو ہو جسے دل جوڑنا آتا ہے
اداس خاموشیوں کو توڑنا آتا ہے
ذرا سی چوٹ پے بڑھ کے تھام لیتے ہو
اپنے ہونٹوں سے مرہم کا کام لیتے ہو
محبت کی دنیا میں احساس کی زمین ہو تم
دوست اس دنیا میں سب سے حسین ہو تم

محفوظ الحسن

☆..........☆..........☆